جلد ۴ جولائی ۱۹۶۳ء شمارہ ۷

تَأمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ (آل عمران)

مجلس انصار اللہ مرکزیہ کا ترجمان

ماہنامہ انصار اللہ ربوہ

سالانہ چندہ چھ روپے فی پرچہ ۶۰ پیسے

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

تامرون بالمعروف وتنھون عن المنکر (آل عمران)

مجلس انصار اللہ مرکزیہ کا ترجمان

انصار اللہ

جولائی سنہ ۱۹۶۳ء

(ایڈیٹر)

مسعود احمد دہلوی

سالانہ چندہ :- چھ روپے فی پرچہ : ۶۰ پیسے

فہرست مضامین

طابع و ناشر:- چوہدری محمد ابراہیم ؛ مطبع: ضیاء الاسلام پریس ربوہ ؛ مقام اشاعت:- دفتر ماہنامہ انصار اللہ
دار الصدر جنوبی ربوہ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

جلد ۴ | ماہنامہ انصار اللہ ربوہ | شمارہ ۷

۱۵ر جولائی ۱۹۶۳ء

حضرت بانیٔ سلسلۂ احمدیہ کا ایک عظیم الشّان چیلنج

صداقتِ اسلام کا اظہار اور ہماری ذمّہ داری

اُنیسویں صدی کے دَوران دنیا میں مغرب کی عیسائی طاقتوں کو جب سیاسی برتری اور بالادستی حاصل ہوئی تو اس کے نتیجہ میں قدرتی طور پر عیسائیت کو بھی بے پناہ تقویت پہنچی۔ چنانچہ عیسائی پادریوں اور مشنریوں نے ساری دنیا کو عیسائیت کا حلقہ بگوش بنانے کی ایک عالمگیر مہم کی داغ بیل ڈال کر علی الخصوص اسلام کے خلاف تابڑ توڑ حملے شروع کر دیئے۔ اُدھر دوسرے مذاہب نے بھی جو ماضی میں اسلام اور مسلمانوں کے زبردست عروج پر صدیوں سے اندر ہی اندر بکلستے چلے آ رہے تھے اس موقع کو غنیمت جان کر عیسائیت کا مقابلہ کرنے کی بجائے اُلٹا اسلام کو ہدفِ ملامت بنانا شروع کر دیا۔ اس طرح عیسائی طاقتوں کے عروج اور دیگر مذاہب کے صدیوں پُرانے عناد نے ایک ایسی صورتِ حال پیدا کر دی جس میں اتحادِ مقصد کی وجہ سے خود بخود اسلام کے خلاف جملہ مذاہب کا ایک طرح کا متحدہ محاذ معرضِ وجود میں آ گیا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ اسلام بتیس دانتوں میں زبان کی طرح ہر چہار طرف سے دشمنوں میں اس طرح گھر گیا کہ اس کا زندہ بچ رہنا قطعاً ناممکن نظر آنے لگا۔ اُنیسویں صدی کا سب سے بڑا المیہ یہی تھا کہ بیک وقت تمام مخالف طاقتیں اسلام پر حملہ آور ہو رہی تھیں اور اس کے بالمقابل اسلام، مسلمانوں کی بے دینی اور ان کے باہمی افتراق کی وجہ سے انتہائی ضعف و اضمحلال کی حالت کو پہنچ چکا تھا اور اس کا نابود ہونا یقینی نظر آ رہا تھا۔ اس کے بچاؤ کی ایک ہی صورت تھی اور وہ یہ کہ خدا تعالیٰ خود مداخلت کر کے حالات کے

رُخ میں یکایک کوئی ایسی تبدیلی رونما کر دکھاتا کہ جو اُس کے بدیہی معجزہ اور قدرت نمائی کی مرہون ہوتی۔

ایسے رُوح فرسا حالات میں اللہ تعالیٰ نے اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّکْرَ وَاِنَّا لَہٗ لَحٰفِظُوْنَ کے قرآنی وعدہ کا پاس کرتے ہوئے اسلام کے ایک زندہ مذہب ہونے کا عظیم الشان ثبوت دیا اور اپنے دستِ قدرت سے ایک ایسا معجزہ ظاہر فرمایا کہ جس نے سب مذاہب کو مبہوت کر کے رکھ دیا۔ وہ معجزہ یہ تھا کہ اللہ تعالیٰ نے عین اُس زمانہ میں جب اسلام ہر چہار طرف سے دشمنوں میں گھر چکا تھا اور اس کا کالعدم ہونا یقینی نظر آرہا تھا حضرت بانیٔ سلسلہ احمدیہ علیہ الصلوٰۃ والسلام کو مسیح موعود کی حیثیت سے مبعوث فرما کر اسلام کے خلاف جملہ مذاہب کی بڑھتی ہوئی یلغار کے سامنے ایک زبردست دفاعی لائن قائم کر دی۔ آپ نے اسلام کے ایک بطلِ جلیل کی حیثیت سے تمام مذاہب کو مقابلہ کے لئے للکارا اور انہیں پکار کر کہا کہ خدا نے مجھے سید و مولیٰ حضرت خاتم الانبیاء سید المطہرین، افضل الاوّلین والآخرین محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی اور اتباع کی برکت سے اپنے مکالمہ و مخاطبہ کا شرف عطا فرمایا ہے اور مجھے اسلام اور حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی کے ایک زندہ ثبوت کے طور پر دفاعِ اسلام کا فریضہ انجام دینے کے لئے کھڑا کیا ہے اور میری مدد کے لئے آسمان سے ملائکہ کی فوجیں اُتاری ہیں جو اسلام پر حملہ آور ہر دشمن کا مُنہ پھیر کر رکھ دیں گی۔ آپ نے جملہ مذاہب کو چیلنج کیا کہ اگر ان میں زندگی کے کچھ بھی آثار باقی ہیں تو وہ آپ کے مقابل پر آکر اس زندگی کا ثبوت دیں۔

آپ نے اسلام کے خلاف زبانِ طعن دراز کرنے والوں اور بڑھ بڑھ کر باتیں بنانے والوں کے سامنے ایک طریق فیصلہ پیش کیا۔ آپ نے فرمایا اِس وقت دُنیا میں مختلف مذاہب موجود ہیں۔ ان میں سے ہر ایک اِس امر کا مدعی ہے کہ وہ خدا کی طرف سے ہے اور دُنیا کی نجات صرف اُس پر عمل پیرا ہونے کے ساتھ ہی وابستہ ہے اور پھر جملہ مذاہب اپنی اپنی جگہ اِس امر کے دعویدار ہی نہیں ہیں بلکہ وہ ایک دوسرے پر حملے کر کے دوسروں کو مغلوب کرنے اور خود غالب ہونے کی کوشش میں بھی مصروف ہیں اور علی الخصوص اسلام کے خلاف ان سب کے حملے دن بدن زور پکڑتے جا رہے ہیں۔ ایسی صورت میں یہ کیونکر معلوم کیا جائے کہ کونسا مذہب سچا ہے اور کس مذہب پر عمل پیرا ہونے کے ساتھ دنیا کی نجات وابستہ ہے؟ اس کے فیصلہ کا آسان طریق یہ ہے کہ وہ مذہب جو فی الواقعہ خدا کی طرف سے ہے اُس کو ایسے آسمانی نشانوں کا حامل ہونا چاہیئے جن پر سلطانی مہر ثبت ہو اور جو اس کے منجانب اللہ ہونے پر دال ہوں۔ سچے مذہب کے پیچھے خدا کا ہاتھ ہوتا ہے اور اس کے ذریعہ سے وہ اپنی ہستی اور اپنی قدرت و جلال کا ثبوت دیتا ہے۔ وہ مذاہب جن کا مدار صرف قصوں پر ہو اور جو زندہ نشان دکھانے کی اہلیت اپنے اندر نہ رکھتے ہوں وہ ہرگز خدا کی طرف سے نہیں ہو سکتے۔ اگر خدا ایک زندہ

خدا ہے اور اس کی سُننے اور بولنے کی طاقتیں بحال ہیں تو کوئی وجہ نہیں کہ وہ آج بھی اسی طرح اپنے بندوں کی پکار کو نہ سُنے اور اسی طرح اس کے جواب میں ان سے ہمکلام نہ ہو جس طرح ازمنہ گزشتہ میں وہ اپنے بندوں کی پکار کو سنتا اور اس کا جواب دیتا تھا۔ وہ یقیناً ایک زندہ خدا ہے، وہ آج بھی اپنے بندوں کی پکار کو اسی طرح سنتا اور اس کا جواب دیتا ہے جس طرح پہلے دیتا رہا ہے اور یقیناً اُس مذہب کی صداقت کے اظہار کے لئے جسے اُس نے اپنے بندوں کی ہدایت کے لئے قائم کیا ہے آج بھی ایسے نشان ظاہر کر سکتا ہے جو معجزہ کی قدرت اپنے اندر رکھتے ہوں۔

آپ نے اعلان فرمایا کہ جملہ مذاہب میں سے اسلام ہی وہ مذہب ہے جو آسمانی نشانوں کا حامل ہے اور آج بھی خدا تعالیٰ اُس کی صداقت کے اظہار کے لئے تازہ بتازہ نشان ظاہر کر رہا ہے اور یہ نشان ہی اسلام کے منجانب اللہ ہونے پر دال ہیں۔ اِس کا مدار ہرگز قصّوں کہانیوں پر نہیں ہے بلکہ خدا تعالیٰ کا ہاتھ اس کے پیچھے ہے اور آج بھی وہ اِس کی صداقت کو آشکار کرنے کے لئے اسی طرح اپنی قدرت نمائی کا ثبوت دے رہا ہے جس طرح کہ وہ پہلے دیتا رہا ہے۔ آپ نے فرمایا کہ خود میرا اپنا وجود اسلام کی صداقت کے زندہ ثبوتوں میں سے ایک عظیم الشان ثبوت ہے۔ خدا تعالیٰ نے خاص اِس زمانہ میں جب جملہ مذاہب اسلام پر حملہ آور ہیں اور اِس کی ہستی کو کالعدم کرنے پر تُلے ہوئے ہیں مجھے دفاعِ اسلام کے لئے کھڑا کیا ہے تا میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے لائے ہوئے دین کی پیروی اور اتباع کی برکت سے بہ توفیق و تائیدِ الٰہی تازہ بتازہ نشانات دکھا کر جملہ ادیان کے مقابل پر اسلام کی صداقت کو دنیا پر آشکار کروں اور اُسے اُس سچے اور واحد دین کی طرف بلاؤں جو منفرد طور پر انسان کو خدا سے ہمکلام کرنے کی اہلیّت اپنے اندر رکھتا ہے۔ پس میں جملہ مذاہب کو دعوت دیتا ہوں کہ اگر ان کا آسمان سے کچھ بھی تعلق باقی ہے تو قصّے کہانیوں کو دہرانے کی بجائے نشان نمائی میں میرا مقابلہ کریں۔ آپ نے فرمایا نہ صرف یہ کہ میں خدا تعالیٰ کے فضل اور اس کی تائید سے صداقتِ اسلام کے اظہار کے طور پر خارق عادت نشان دکھا سکتا ہوں بلکہ ہر اُس شخص کو جو سچی پیروی اختیار کرے بفضلہ تعالیٰ اِس قابل بنا سکتا ہوں کہ وہ تعلق باللہ میں ترقی کر کے مخالفینِ اسلام کو خارقِ عادت نشانات دکھا سکے۔

آپ نے جملہ مذاہب پر اتمام حجت کی خاطر ہزار وہا ہزار کی تعداد میں ایک اشتہار شائع فرمایا جس میں ان کے پیروؤں کو چیلنج کیا کہ وہ نشان نمائی میں آپ کا مقابلہ کریں اور اِس طرح اپنے مذہب کی زندگی کا ثبوت دیں۔ اِس باطل شکن اشتہار میں آپ نے پہلے اپنی بعثت کی غرض واضح کرتے ہوئے فرمایا:۔

"مَیں بکمال ادب و انکسار حضرات علماء مسلمانان و علماء عیسائیان و پنڈتان ہندوؤں و آریان

کو یہ اشتہار بھیجتا ہوں اور اطلاع دیتا ہوں کہ میں اخلاقی و اعتقادی و ایمانی کمزوریوں اور غلطیوں کی اصلاح کے لئے دنیا میں بھیجا گیا ہوں۔ اور میرا قدم حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے قدم پر ہے۔ انہی معنوں سے میں مسیحِ موعود کہلاتا ہوں کیونکہ مجھے حکم دیا گیا ہے کہ محض فوق العادت نشانوں اور پاک تعلیم کے ذریعہ سے سچائی کو دنیا میں پھیلاؤں ۔ ۔ ۔ ۔ میں تمام مسلمانوں اور عیسائیوں اور ہندوؤں اور آریوں پر یہ بات ظاہر کرتا ہوں کہ دنیا میں کوئی میرا دشمن نہیں ہے۔ میں بنی نوع سے ایسی محبت کرتا ہوں کہ جیسے والدہ مہربان اپنے بچوں سے بلکہ اس سے بڑھ کر۔ میں صرف ان باطل عقائد کا دشمن ہوں جن سے سچائی کا خون ہوتا ہے۔ انسان کی ہمدردی میرا فرض ہے اور جھوٹ اور شرک اور ظلم اور ہر ایک بدعملی اور ناانصافی اور بداخلاقی سے بیزاری میرا اصول۔

میری ہمدردی کے جوش کا اصل محرک یہ ہے کہ میں نے ایک سونے کی کان نکالی ہے اور مجھے جواہرات کے معدن پر اطلاع ہوئی ہے اور مجھے خوش قسمتی سے ایک چمکتا ہوا اور بے بہا ہیرا اس کان سے ملا ہے اور اس کی اس قدر قیمت ہے کہ اگر میں اپنے ان تمام بنی نوع بھائیوں میں وہ قیمت تقسیم کروں تو سب کے سب اس شخص سے زیادہ دولتمند ہو جائیں گے جس کے پاس آج دنیا میں سب سے بڑھ کر سونا اور چاندی ہے۔ وہ ہیرا کیا ہے؟ سچا خدا۔ اور اس کو حاصل کرنا یہ ہے کہ اس کو پہچاننا اور سچا ایمان اس پر لانا اور سچی محبت کے ساتھ اس سے تعلق پیدا کرنا اور سچی برکات اس سے پانا۔ پس اس قدر دولت پا کر سخت ظلم ہے کہ میں بنی نوع کو اس سے محروم رکھوں اور وہ بھوکے مریں اور میں عیش کروں۔ یہ مجھ سے ہرگز نہیں ہوگا۔ میرا دل ان کے فقر و فاقہ کو دیکھ کر کباب ہو جاتا ہے۔ ان کی تاریکی اور تنگ گزرانی پر میری جان گھٹی جاتی ہے۔ میں چاہتا ہوں کہ آسمانی مال سے ان کے گھر بھر جائیں اور سچائی اور یقین کے جواہرات کو اتنے ملیں کہ ان کے دامنِ استعداد پُر ہو جائیں۔" (اربعین)

یہ بتانے کے بعد کہ آپ اخلاقی و اعتقادی اور ایمانی کمزوریوں اور غلطیوں کی اصلاح کے لئے بھیجے گئے ہیں اور آپ کو یہ حکم دیا گیا ہے کہ آپ محض فوق العادت نشانوں اور پاک تعلیم کے ذریعہ سے سچائی کو دنیا میں پھیلائیں اور لوگوں کو آسمانی اموال سے مالامال کریں، آپ نے اسی اشتہار میں آگے چل کر واضح فرمایا کہ یہ مرتبہ اور مقام مجھے صرف اور صرف آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سچی پیروی اور اطاعت کی برکت سے ملا ہے اور جو شخص بھی خدا کو پانا اور فوق العادت نشانوں کا مورد بننا چاہتا ہے اس کے لئے بجز اس کے اور کوئی راہ نہیں ہے کہ وہ اسلام قبول کر کے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سچی اور کامل پیروی و اطاعت کرے۔ اس راہ کو اختیار کئے بغیر وہ کبھی خدا کو پا نہیں سکتا اور نہ اس کے افضال و انعامات اور فوق العادت نشانات کا مورد بن سکتا ہے اور یہی دیگر ادیان کے

بالمقابل اسلام کی صداقت اور اس کی حقانیت کا ایک زندہ و درخشندہ ثبوت ہے۔ چنانچہ آپ نے فرمایا:۔

"میں نوعِ انسان سے سب سے زیادہ محبت کرتا ہوں۔ ہاں ان کی بدعملیوں اور ہر ایک قسم کے ظلم اور فسق اور بغاوت کا دشمن ہوں، کسی کی ذات کا دشمن نہیں۔ اس لئے وہ خزانہ جو مجھے ملا ہے جو بہشت کے تمام خزانوں اور نعمتوں کی کنجی ہے وہ جوشِ محبت سے نوعِ انسان کے سامنے پیش کرتا ہوں۔ اور یہ امر کہ وہ مال جو مجھے ملا ہے وہ حقیقت میں از قسم ہیرا اور سونا اور چاندی ہے کوئی کھوٹی چیزیں نہیں ہیں بڑی آسانی سے دریافت ہو سکتا ہے اور وہ یہ کہ ان تمام دراہم اور دینار اور جواہرات پر سلطانی سکّہ کا نشان ہے یعنی وہ آسمانی گواہیاں میرے پاس ہیں جو کسی دوسرے کے پاس نہیں۔ مجھے بتلایا گیا ہے کہ تمام دینوں میں سے دینِ اسلام ہی سچا ہے۔ مجھے فرمایا گیا ہے کہ تمام ہدایتوں میں سے صرف قرآنی ہدایت ہی صحت کے کامل درجہ پر اور انسانی ملاوٹوں سے پاک ہے۔ مجھے سمجھایا گیا ہے کہ تمام رسولوں میں سے کامل تعلیم دینے والا اور انسانی کمالات کا اپنی زندگی کے ذریعہ سے اعلیٰ نمونہ دکھلانیوالا صرف حضرت سیّدنا و مولانا محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم ہے۔ اور مجھے خدا کی پاک اور مطہّر وحی سے اطلاع دی گئی ہے کہ مَیں اُس کی طرف سے مسیح موعود اور مہدی معہود اور اندرونی اور بیرونی اختلافات کا حَکَم ہوں۔" (اربعین)

یہ واضح کرنے کے بعد کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو فوق العادت نشانوں کے ذریعہ اسلام کی صداقت کو دنیا پر آشکار کرنے اور دیگر ادیان پر اسے غالب کرنے کے لئے مبعوث کیا ہے آپ نے تمام مذاہب کے پیروؤں اور علی الخصوص عیسائیوں کو چیلنج کیا کہ اگر اب بھی ان کا آسمان سے کوئی تعلق قائم ہے اور جس دین کی وہ پیروی کر رہے ہیں وہی سچا دین ہے اور دنیا کی نجات اسی کے ساتھ وابستہ ہے تو پھر وہ آسمان کا دروازہ کھٹکھٹا کر آسمانی نشانوں میں آپ کا مقابلہ کر کے دکھائیں۔ آپ نے انہیں پہلے سے خبردار کر دیا کہ وہ ہرگز مقابلہ نہ کر سکیں گے اور یہ صداقتِ اسلام کی ایک زندہ دلیل ہوگی۔ آپ نے تحدی کے رنگ میں پورے جلال کے ساتھ فرمایا:۔

"میرا خدا جو آسمان اور زمین کا مالک ہے اُس کو گواہ رکھ کر کہتا ہوں کہ میں اُس کی طرف سے ہوں اور وہ اپنے نشانوں سے میری گواہی دیتا ہے۔ اگر آسمانی نشانوں میں کوئی میرا مقابلہ کر سکے تو میں جھوٹا ہوں۔ اگر دعاؤں کے قبول ہونے میں کوئی میرے برابر اُتر سکے تو میں جھوٹا ہوں۔ اگر قرآن کے نکات اور معارف بیان کرنے میں کوئی میرا ہم پلہ ٹھہر سکے تو میں جھوٹا ہوں۔ اگر غیب کی پوشیدہ باتیں اور اسرار جو خدا کی اقتداری قوت کے ساتھ پیش از وقت مجھ سے ظاہر ہوتے ہیں ان میں کوئی میری برابری کر سکے تو میں خدا کی طرف سے نہیں ہوں۔ اب کہاں ہیں وہ پادری صاحبان جو کہتے تھے نعوذ باللہ حضرت سیدنا و سید الوریٰ محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم سے کوئی پیشگوئی یا اور کوئی امر خوارق عادت ظہور میں نہیں آیا۔ میں سچ سچ کہتا ہوں کہ زمین پر وہ ایک ہی انسان کامل گزرا ہے جس کی پیشگوئیاں اور دعائیں قبول ہونا اور دوسرے خوارق ظہور میں آنا ایک ایسا امر ہے جو اب تک امت کے سچے پیروؤں کے ذریعہ سے دریا کی طرح موجیں مار رہا ہے۔ بجز اسلام وہ مذہب کہاں اور کدھر ہے جو یہ خصلت اور طاقت اپنے اندر رکھتا ہے اور وہ لوگ کہاں اور کس ملک میں رہتے ہیں جو اسلامی برکات اور نشانوں کا مقابلہ کر سکتے ہیں۔ اگر انسان صرف ایسے مذہب کا پیرو ہو جس میں آسمانی روح کی کوئی ملاوٹ نہیں تو وہ اپنے ایمان کو ضائع کرتا ہے۔ مذہب وہی مذہب ہے جو زندہ مذہب ہو اور زندگی کی روح اپنے اندر رکھتا ہو اور زندہ خدا سے ملاتا ہو۔ اور میں صرف یہی دعویٰ نہیں کرتا کہ خدا تعالیٰ کی پاک وحی سے غیب کی باتیں میرے پر کھلتی ہیں اور خارق عادت امر ظاہر ہوتے ہیں بلکہ یہ بھی کہتا ہوں کہ جو شخص دل کو پاک کر کے اور خدا اور اُس کے رسول سے سچی محبت رکھ کر میری پیروی کرے گا وہ بھی خدا تعالیٰ سے یہ نعمت پائے گا۔ مگر یاد رکھو کہ تمام مخالفوں کے لئے یہ دروازہ بند ہے۔ اور اگر دروازہ بند نہیں ہے تو کوئی آسمانی نشانوں میں

مجھ سے مقابلہ کرے۔ اور یاد رکھیں کہ ہرگز نہیں کر سکیں گے۔ پس یہ اسلامی حقیقت اور میری حقانیت کی ایک دلیل ہے۔" (اربعین)

حضرت بانیٔ سلسلۂ احمدیہ علیہ الصلوٰۃ والسلام کا یہ چیلنج علی الخصوص آریوں اور عیسائیوں پر جو اسلام پر حملے کرنے میں سب سے زیادہ پیش پیش تھے بجلی بن کر گرا۔ فرضی قصّے سُنا سُنا کر لوگوں کو اپنے جال کے اندر پھنسانے والوں میں یہ سکت کب اور کہاں تھی کہ وہ اس چیلنج کو قبول کرتے۔ آسمان سے کوئی تعلق ہوتا تو وہ مقابلہ پر آنے کی جرأت دکھاتے۔ وہ لیکھرام اور ڈپٹی عبداللہ آتھم کا انجام پہلے ہی دیکھ چکے تھے۔ انہیں سانپ سونگھ گیا۔ ان کی چالاکیاں، شوخیاں اور عیاریاں دھری کی دھری رہ گئیں۔ ان کی ملمع سازیوں، تعلّیوں اور بلند بانگ دعاوی کی قلعی کھل گئی۔ مقابلہ میں آنا تو کجا وہ مُنہ دکھانے کے قابل نہ رہے۔ دنیا پر آشکار ہو گیا کہ ان کے مصنوعی خدا مُردہ، ان کے دین مُردہ اور وہ خود مُردہ ہیں۔ ایک اسلام ہی زندہ دین ہے اور اس لئے زندہ دین ہے کہ اس کا خدا زندہ خدا ہے، اس کا رسولؐ زندہ رسول ہے، اس کی کتاب زندہ کتاب ہے اور یہ زندہ خدا، زندہ رسولؐ اور زندہ کتاب ہی کی برکت ہے کہ اس کے سچے اور حقیقی پیرو خود بھی زندہ ہیں۔

پھر حضرت بانیٔ سلسلۂ احمدیہ علیہ الصلوٰۃ والسلام کا یہ چیلنج کوئی وقتی چیلنج نہیں تھا بلکہ یہ ہمیشہ ہمیش کے لئے تھا۔ آپ نے فرمایا تھا کہ میں یہی دعوٰی نہیں کرتا کہ خدا تعالیٰ کی پاک وحی سے غیب کی باتیں میرے پر کھلتی ہیں اور خارق عادت امر ظاہر ہوتے ہیں بلکہ میں یہ بھی کہتا ہوں کہ جو شخص دل کو پاک کر کے اور خدا اور اس کے رسولؐ سے سچی محبت رکھ کر میری پیروی کرے گا وہ خدا تعالیٰ سے یہ نعمت پائے گا۔ اس میں صاف اِس طرف اشارہ تھا کہ میرے سچے متبعین کے ذریعے بھی خدائی تائید کے ماتحت خارق عادت امر ظاہر ہونگے اور دیگر ادیان کے پیرو ان کے مقابلے میں نشان نمائی سے یکسر عاجز رہیں گے۔ چنانچہ ایسا ہی ظہور میں آیا اور بار بار آیا اور اُس وقت سے مسلسل ایسا ہی ظہور میں آتا چلا جا رہا ہے۔ ۱۹۲۲ء میں جب آپ کے حسن و احسان میں نظیر فرزندِ موعود یعنی امام جماعت احمدیہ حضرت مرزا بشیر الدین محمود احمد ایدہ اللہ تعالیٰ نے اپنی تصنیف "تحفہ شہزادہ ویلز" میں عیسائی پادریوں کو دعوت دی کہ ایک مقررہ تعداد میں یکسر لاعلاج مریضوں کو قرعہ اندازی کے ذریعے عیسائی پادریوں اور احمدیوں میں برابر تقسیم کر دیا جائے اور پھر وہ اپنے اپنے حصّہ کے مریضوں کی شفایابی کے لئے خدا تعالیٰ سے دعا مانگیں اور پھر دیکھیں کہ خدا دونوں میں سے کس کی دعا قبول کرتا ہے، تو عیسائی پادریوں

کو سانپ سونگھ گیا اُن میں سے کوئی ایک بھی تو اتنا باغیرت ثابت نہ ہوا کہ مقابلہ میں آنے کی جرأت کرتا حضرت امام جماعتِ احمدیہ ایدہ اللہ نے شہزادہ ولیز پر پہلے ہی واضح کر دیا تھا کہ عیسائی پادری ہرگز مقابلہ کی تاب نہ لاسکیں گے کیونکہ اپنے دل میں وہ خوب جانتے ہیں کہ اب خدا سے ان کا تعلق منقطع ہو چکا ہے۔ ان کے اندر خارق عادت کام کر دکھانے کی اہلیت یکسر مفقود ہو چکی ہے جس کا وہ دو ہزار سال سے زبانی دعویٰ کرتے چلے آ رہے ہیں۔ یہ اس امر کا بیّن ثبوت ہے کہ اب عیسائیت کو خدا تعالیٰ کی تائید و نصرت حاصل نہیں ہے۔ ظہورِ اسلام کے بعد اب یہ صرف اور صرف آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی کے ساتھ مختص ہو چکی ہے۔

اور یہ تو ابھی زمانہ حال ہی کی بات ہے کہ جب امریکہ کے شہرہ آفاق عیسائی مناد ڈاکٹر بلی گراہم نے افریقہ کا دورہ کر کے عیسائیت کے حق میں دھواں دھار تقاریر کیں تو مشرقی افریقہ میں جماعتِ احمدیہ کے رئیس التبلیغ مکرم جناب شیخ مبارک احمد صاحب نے نیروبی میں انہیں مقابلہ کے لئے للکارا۔ انہوں نے حضرت امام جماعتِ احمدیہ ایدہ اللہ تعالیٰ کی مذکورہ بالا دعوت کو اُن کے سامنے پیش کر کے ان پر زور دیا کہ وہ عیسائیت کی صداقت ثابت کرنے کے لئے اس دعوت کو قبول کریں ورنہ عیسائیت کا باطل ہونا خود بخود عیاں ہو جائے گا۔ خود افریقہ کے عیسائیوں نے انہیں مجبور کیا کہ وہ مبلّغ اسلام کے اس چیلنج کو قبول کر کے عیسائیت کی عزّت کو بچائیں لیکن عیسائیوں کے پُرزور اصرار کے باوجود انہوں نے یہ کہہ کر کہ میں تو صرف ایک واعظ ہوں کوئی خارق عادت نشان دکھانے کی مَیں اہلیت نہیں رکھتا دعوتِ مقابلہ قبول کرنے سے انکار کر دیا اور پھر افریقہ سے ایسے رفو چکر ہوئے کہ واپس امریکہ ہی جا کر دم لیا۔ وہ کیوں نہ راہِ فرار اختیار کرتے جبکہ حضرت بانیٔ سلسلہ احمدیہ علیہ الصلوٰۃ و السلام نے پہلے ہی خبردار کر دیا تھا کہ تمام مخالفینِ اسلام کے لئے نشان نمائی کا دروازہ بند ہے۔ وہ کبھی بھی کوئی خارق عادت نشان دکھانے پر قادر نہیں ہو سکتے اس لئے کہ اسلام کا انکار کر کے آسمان سے اب ان کا کوئی تعلق باقی نہیں رہا ہے۔

الغرض حضرت بانیٔ سلسلہ احمدیہ علیہ الصلوٰۃ و السلام نے نشان نمائی کے سلسلہ میں اسلام کے بالمقابل جملہ مذاہبِ عالم کو جو چیلنج دیا تھا وہ ایک مستقل چیلنج ہے جو آئندہ بھی ہر زمانہ میں اسلام کی صداقت کو روزِ روشن کی طرح عیاں کرتا چلا جائے گا یہاں تک کہ پورے کرۂ ارض پر اسلام غالب آ جائے اور کوئی ایسا متنفس باقی نہ رہے کہ جو اِس چیلنج کا مخاطب قرار پا سکے۔

اس میں شک نہیں حضرت بانیٔ سلسلہ احمدیہ علیہ الصلوٰۃ و السلام کے ہاتھوں اسلام پر حملہ آور طاقتوں کی یہ عبرتناک ہزیمت اور اس کے بالمقابل اسلام کی یہ عظیم الشان فتح ہمارے لئے بے انتہا خوشی اور

ازدیادِ ایمان کا موجب ہے لیکن اس خوشی میں حصہ دار بننے کے مستحق ہم تبھی قرار پا سکتے ہیں کہ ہم اس اہم ذمہ داری کو ادا کرنے والے بنیں جو اس ضمن میں ہم پر عائد ہوتی ہے۔ وہ ذمہ داری یہ ہے کہ ہم حضور علیہ السّلام کی کامل پیروی اختیار کر کے اپنے آپ کو اس حد تک خدائی افضال و انعامات کا وارث بنائیں کہ خدا تعالیٰ کے فوق العادت نشانات ہمارے ذریعے بھی ظاہر ہونے لگیں۔ اس کے بغیر ہم مسیح پاک علیہ السلام کے سچے متّبع قرار نہیں پا سکتے اور ہمیشہ ہمیش قائم رہنے والے اس چیلنج کو بار بار دنیا کے سامنے پیش کرنے کے اہل نہیں بن سکتے۔ اس میں شک نہیں وہ خدا جس نے اپنے مسیح پاک کے ذریعہ حقانیت اسلام کے اظہار کے لئے تمام دیگر مذاہب کو یہ چیلنج دیا ہے وہ ہر زمانہ میں ایسے افراد پیدا کرتا رہے گا جن کے ذریعہ فوق العادت نشانات ظاہر ہو ہو کر دنیا پر اسلام کی صداقت کو آشکار کرتے رہیں گے لیکن یہ وہی لوگ ہوں گے جو نیکی، تقویٰ و طہارت اور تعلق باللہ میں ترقی کر کے اپنے وجودوں میں ایسی کشش پیدا کر دکھائیں گے کہ جو جاذب فضلِ الٰہی ہوتی ہے۔

جیسا کہ ہم سطورِ بالا میں واضح کر آئے ہیں دنیا میں غلبۂ اسلام کا ظہور محض فوق العادت نشانوں اور پاک تعلیم کے ساتھ ہی وابستہ ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے حضور علیہ السلام کو حکم ہی یہ ملا تھا کہ آپ محض فوق العادت نشانوں اور پاک تعلیم کے ذریعہ سے دنیا میں سچائی کو پھیلائیں۔ اس خدائی حکم میں فوق العادت نشانوں کو پاک تعلیم سے مقدم کیا گیا ہے۔ اس کا صاف اور واضح مطلب یہ ہے کہ جب تک پاک تعلیم پر عمل پیرا ہو کر ہم تعلق باللہ میں ایسے مقام پر نہیں پہنچیں گے کہ خود ہمارے ذریعہ صداقتِ اسلام کے فوق العادت نشان ظاہر ہونے لگیں اس وقت تک ہم اسلام کو دنیا میں غالب کرنے والے نہیں کہلا سکتے۔ حضرت بانی سلسلہ احمدیہ کا اصل کارنامہ یہی ہے کہ آپ نے نہ صرف یہ کہ فوق العادت نشانوں کے ذریعہ دیگر ادیان کو مغلوب کر دکھایا بلکہ اپنی قوتِ قدسی کے ذریعہ اپنے اصحاب کو بھی صاحبِ کرامت بنا دیا اور آئندہ کے لئے بھی یہ بشارت دیدی کہ آپ کی جماعت میں بکثرت ایسے صاحبِ کرامت پیدا ہوتے چلے جائیں گے جو فوق العادت نشانوں کے بل پر اسلام کو دنیا میں غالب کر دکھائیں گے۔ چنانچہ آپ نے فرمایا:۔

"خدا تعالیٰ نے مجھے بار بار خبر دی ہے کہ وہ مجھے بہت عظمت دے گا اور میری محبت دلوں میں بٹھائے گا اور میرے سلسلہ کو تمام زمین پر پھیلائے گا اور سب فرقوں پر میرے فرقہ کو غالب کرے گا اور میرے فرقہ کے لوگ اس قدر علم اور معرفت میں کمال حاصل کریں گے کہ وہ اپنی سچائی کے نور اور اپنے دلائل اور نشانوں کی رُو سے سب کا منہ بند کر دیں گے اور ہر قوم اس چشمے سے پانی پیئے گی اور یہ سلسلہ زور سے بڑھے گا اور پھولے گا یہاں تک کہ

زمین پر محیط ہوجائے گا" (تجلیاتِ الٰہیہ)

پس ہماری تمام تر کامیابی کا راز اسی میں مضمر ہے کہ ہم محض دلائل ہی سے آراستہ نہ ہوں بلکہ علم و معرفت میں کمال حاصل کرکے سچائی کے نور سے معمور ہونے کی کوشش کریں تا ہمارے ذریعہ بھی فوق العادت نشانات اسی طرح ظاہر ہوں جس طرح کہ حضرت مسیح پاک علیہ السلام کے ذریعہ اور آپ کے خلفاء اور صحابہ کے ذریعے ظاہر ہوئے اور آج بھی ظاہر ہو رہے ہیں ——— خدا تعالیٰ ہم میں سے ہر ایک کو علم و معرفت میں کمال حاصل کرنے، سچائی کے نور سے معمور ہونے، اور نشان نمائی کی اہلیت سے بہرہ ور ہونے کی توفیق عطا فرمائے تا دشمنانِ اسلام کے مُنہ بند ہوں، اسلام دنیا میں پھلے پھُولے اور کُرّۂ ارض پر محیط ہوجائے۔ آمین اللّٰھم آمین۔

خدا تعالیٰ پر کامل ایمان کا ثمرہ

حضرت مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں :-

"انسان حقیقی معرفت کے چشمہ میں اُس دن غوطہ مارتا ہے جس دن خدا تعالیٰ اُس کو مخاطب کرکے انا الموجود کی اُس کو بشارت دیتا ہے۔ تب انسان کی معرفت صرف اپنے قیاسی ڈھکوسلے یا محض منطقی خیالات تک محدود نہیں رہتی بلکہ وہ خدا تعالیٰ سے ایسا قریب ہوجاتا ہے کہ گویا اُسکو دیکھتا ہے اور یہ سچ اور بالکل سچ ہے کہ خدا تعالیٰ پر کامل ایمان اُسی دن انسان کو نصیب ہوتا ہے کہ جب اللہ جلّ شانہ اپنے وجود سے آپ خبر دیتا ہے۔"

(حجۃ الاسلام صـ۲)

کلماتِ طیبات حضرت مسیح موعود علیہ السلام

یاد رکھو تم شانِ احمدیت کے ظاہر کرنے والے ہو

اپنے ہر ایک جوش پر موت وارد کرو اور عاشقانہ فروتنی دکھاؤ

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے دو نام ہیں محمدؐ اور احمدؐ۔ محمدؐ جمالی رنگ رکھتا ہے اور احمد جلالی۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام اور آپ کی جماعت آنحضرت کے احمد نام کی حامل ہے اور جمالی شان رکھتی ہے۔ سیدنا حضرت مسیح موعود علیہ السلام اپنی جماعت کو مخاطب کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ "تم اسم احمد کے مظہر ہو سو چاہیئے کہ دن رات خدا تعالےٰ کی حمد و ثنا تمہارا کام ہو"۔ پھر فرماتے ہیں "عاشقانہ تذلّل اور فروتنی یہ شان مسیح موعود کے ذریعہ سے ظہور میں آئی ہے۔ سو تم شانِ احمدیت کے ظاہر کرنے والے ہو لہذا اپنے ہر ایک بے جا جوش پر موت وارد کرو اور عاشقانہ فروتنی دکھاؤ"۔ حضور کے تفصیلی ارشادات ذیل میں درج ہیں تاکہ دوست ان کا مطالعہ کر کے ان پر عمل کرنے کی کوشش کریں۔

(ادارہ)

"تم نے وہ وقت پایا ہے جس کی بشارت تمام نبیوں نے دی ہے اور اُس شخص کو یعنی مسیح موعود کو تم نے دیکھ لیا جس کے دیکھنے کے لئے بہت سے پیغمبروں نے بھی خواہش کی تھی اس لئے اب اپنے ایمانوں کو خوب مضبوط کرو اور اپنی راہیں درست کرو۔ اپنے دلوں کو پاک کرو اور اپنے مولیٰ کو راضی کرو۔ دوستو! تم اس مسافر خانہ میں محض چند روز کے لئے ہو۔ اپنے اصلی گھروں کو یاد کرو۔ تم دیکھتے ہو کہ ہر ایک سال کوئی نہ کوئی دوست تم سے رخصت ہو جاتا ہے ایسا ہی تم بھی کسی سال اپنے دوستوں کو داغِ جدائی دے جاؤ گے۔ سو ہوشیار ہو جاؤ، اس پُر آشوب زمانہ کی زہر تم میں اثر نہ کرے اپنی اخلاقی حالتوں کو بہت صاف کرو، کینہ اور بغض و نخوت سے پاک ہو جاؤ، اور اخلاقی معجزات دنیا کو دکھاؤ۔

تم سُن چکے ہو کہ ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے دو نام ہیں۔ (۱) ایک محمد صلی اللہ علیہ وسلم —— اور یہ نام توراۃ میں لکھا گیا ہے جو ایک آتشی شریعت ہے جیسا کہ اس آیت سے ظاہر ہوتا ہے محمد رسول اللّٰہ والذین معہٗ اشدّاء علی الکفّار رحماء بینھم ..... ذلک مثلھم فی التّوراۃ۔ (۲) دوسرا نام احمد ہے صلی اللہ علیہ وسلم — اور یہ نام انجیل میں ہے جو ایک جمالی رنگ میں تعلیم الٰہی ہے جیسا کہ اس آیت سے ظاہر ہوتا ہے و مبشرًا برسولٍ یاتی من بعدی اسمہ احمد۔ اور ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم جلال اور جمال دونوں

کے جامع تھے مکہ کی زندگی جمالی رنگ میں تھی اور مدینہ کی زندگی جلالی رنگ میں۔ اور پھر یہ دونوں صفتیں امت کے لئے اس طرح پر تقسیم کی گئیں کہ صحابہ رضی اللہ عنہم کو جلالی رنگ کی زندگی عطا ہوئی اور جمالی رنگ کی زندگی کے لئے مسیح موعودؑ کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا مظہر ٹھہرایا۔ یہی وجہ ہے کہ اُس کے حق میں فرمایا گیا کہ یَضَعُ الْحَرْبَ یعنی لڑائی نہیں کرے گا۔ اور یہ خدا تعالیٰ کا قرآن شریف میں وعدہ تھا کہ اِس حصّے کے پورا کرنے کے لئے مسیح موعود اور اُس کی جماعت کو ظاہر کیا جائے گا کہ آیت وَآخَرِينَ مِنْهُمْ لَمَّا يَلْحَقُوا بِهِمْ میں اسی کی طرف اشارہ ہے۔ اور آیت تَضَعُ الْحَرْبُ أَوْزَارَهَا بھی یہی اشارہ کر رہی ہے۔

سو ہوشیار ہو کر سُنو کہ تیرہ سو برس کے بعد جمالی طرز کی زندگی کا نمونہ دکھلانے کے لئے تمہیں پیدا کیا گیا۔ یہ خدا کا امتحان ہے اور وہ تمہیں آزماتا ہے کہ تم اس نمونہ کے دکھلانے میں کیسے ہو۔ تم سے پہلے جلالی زندگی کا نمونہ صحابہ رضی اللہ عنہم نے قابلِ تعریف دکھلایا اور وہ ایسا ہی وقت تھا کہ جلالی طرز کی زندگی کا نمونہ دکھلایا جاتا کیونکہ ایماندار لوگ بتوں کی تعظیم کے لئے اور مخلوق پرستی کی حمایت میں بھیڑ بکری کی طرح قتل کئے جاتے تھے اور پتھروں اور ستاروں اور عناصر اور دوسری مخلوق کو خدا کی جگہ دی جاتی تھی۔ سو یہ زمانہ بیشک جہاد کا زمانہ تھا تا جو لوگ ظلم سے تلوار اٹھاتے ہیں وہ تلوار ہی سے قتل کئے جائیں۔ سو صحابہ رضی اللہ عنہم نے تلوار اٹھانے والوں کو تلوار ہی سے خاموش کیا اور اسم محمدؐ جو مظہرِ جلال اور شانِ محبوبیت اپنے اندر رکھتا ہے اس کی تجلّی ظاہر کرنے کے لئے خوب جوہر دکھلائے اور دین کی حمایت میں اپنے خون بہا دیئے اور پھر بعد اس کے وہ کذّاب پیدا ہوئے جو اسم محمدؐ کا جلال ظاہر کرنے والے نہیں تھے بلکہ اکثر اُن کے چوروں اور ڈاکوؤں کی طرح تھے جو مجھ سے پہلے گزر گئے جو جھوٹے طور پر محمدی کہلاتے تھے اور لوگ ان کو خود غرض سمجھتے تھے جیسا کہ آجکل بھی بعض سرحدی نادان اس قسم کے مولویوں کی تعلیم سے دھوکہ کھا کر محمدی جلال کے ظاہر کرنے کے بہانہ سے لوٹ مار اپنا شیوہ رکھتے ہیں اور آئے دن ناحق کے خون کرتے ہیں مگر تم خوب توجہ کر کے سُن لو کہ اب اسمِ محمدؐ کی تجلّی ظاہر کرنے کا وقت نہیں یعنی اب جلالی رنگ کی کوئی خدمت باقی نہیں کیونکہ مناسب حد تک وہ جلال ظاہر ہو چکا۔ سورج کی کرنوں کی اب برداشت نہیں، اب چاند کی ٹھنڈی روشنی کی ضرورت ہے اور وہ احمدؐ کے رنگ میں ہو کر میں ہوں۔ اب اسمِ احمد کا نمونہ ظاہر کرنے کا وقت ہے یعنی جمالی طور کی خدمت کے ایّام ہیں اور اخلاقی کمالات کے ظاہر کرنے کا زمانہ ہے۔

ہمارے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مثیلِ موسیٰ بھی تھے اور مثیلِ عیسیٰ بھی۔ موسیٰؑ جلالی رنگ میں آیا تھا اور جلال اور الٰہی غضب کا رنگ اُس پر غالب تھا۔ مگر عیسیٰؑ جمالی رنگ میں آیا تھا اور فروتنی اُس پر غالب تھی۔ سو ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی مکّی اور مدنی زندگی میں یہ دونوں نمونے جلال اور جمال کے ظاہر کر دیئے اور پھر چاہا کہ آپ کے بعد آپ کی فیض یافتہ جماعت بھی جو آپ کے روحانی وارث ہیں انہی دونوں نمونوں کو ظاہر کرے۔ سو آپ نے

محمدی یعنی جلالی نمونہ دکھانے کے لئے صحابہ رضی اللہ عنہم کو مقرر فرمایا کیونکہ اُس زمانہ میں اسلام کی مظلومیت کے لئے یہی علاج قرینِ مصلحت تھا۔ پھر جب وہ زمانہ جاتا رہا اور کوئی شخص ایسا زمین پر نہ رہا کہ مذہب کے لئے اسلام پر جبر کرے اس لئے خدا نے جلالی رنگ کو منسوخ کرکے اسم احمدؐ کا نمونہ ظاہر کرنا چاہا یعنی جمالی رنگ دکھانا چاہا۔ سو اس نے قدیم وعدہ کے موافق اپنے مسیح موعود کو پیدا کیا، جو عیسیٰ کا اوتار اور احمدی رنگ میں ہو کر جمالی اخلاق کو ظاہر کرنے والا ہے۔ اور خدا نے تمہیں اس عیسیٰ احمد صفت کے لئے بطور اعضاء کے بنایا۔ سو اب وقت ہے کہ اپنی اخلاقی قوتوں کا حُسن اور جمال دکھلاؤ۔ چاہیئے کہ تم میں خدا کی مخلوق کے لئے عام ہمدردی ہو اور کوئی چھل اور دھوکہ تمہاری طبیعت میں نہ ہو۔ تم اسم احمد کے مظہر ہو۔ سو چاہیئے کہ دن رات خدا کی حمد و ثناء تمہارا کام ہو اور خادمانہ حالت جو حامد ہونے کے لئے لازم ہے اپنے اندر پیدا کرو۔ اور تم کامل طور پر خدا کی کیونکر حمد کر سکتے ہو جب تک کہ تم اس کو ربّ العالمین یعنی تمام دنیا کا پالنے والا نہ سمجھو۔ اور تم کیونکر اِس اقرار میں سچے ٹھہر سکتے ہو جب تک ایسا ہی اپنے تئیں بھی نہ بناؤ۔ کیونکہ اگر تو کسی نیک صفت کے ساتھ کسی کی تعریف کرتا ہے اور آپ اس صفت کے مخالف عقیدہ اور خُلق رکھتا ہے تو گویا تو اُس شخص سے ٹھٹھا کرتا ہے کہ جو کچھ اپنے لئے پسند نہیں کرتا ہے اُس کے لئے روا رکھتا ہے۔ اور جبکہ تمہارا رب جس نے اپنی کلام کو ربّ العالمین سے شروع کیا ہے زمین کی تمام خوردنی و آشامیدنی اشیاء اور فضا کی تمام ہوا اور آسمانوں کے ستاروں اور اپنے سورج اور چاند سے تمام نیک و بد کو فائدہ پہنچاتا ہے تو تمہارا فرض ہونا چاہیئے کہ یہی خُلق تم میں بھی ہو ورنہ تم احمد اور حامد نہیں کہلا سکتے کیونکہ احمد تو اُس کو کہتے ہیں جو خدا کی بہت تعریف کرنے والا ہو۔ اور جو شخص کسی کی بہت تعریف کرتا ہے وہ اپنے لئے وہی خُلق پسند کرتا ہے جو اُس میں ہیں اور چاہتا ہے کہ وہ خُلق خود اُس میں ہوں۔ پس تم کیونکر سچے احمد یا حامد ٹھہر سکتے ہو جبکہ اس خُلق کو اپنے لئے پسند نہیں کرتے۔

حقیقت میں احمدی بن جاؤ اور یقیناً سمجھو کہ خدا کی اصلی اخلاقی صفات چار ہی ہیں جو سورۂ فاتحہ میں مذکور ہیں۔ (۱) ربّ العالمین، سب کا پالنے والا (۲) رحمٰن، بغیر عوض کسی خدمت کے خود بخود رحمت کرنے والا۔ (۳) رحیم، کسی خدمت پر حق سے زیادہ انعام اکرام کرنے والا اور خدمت قبول کرنے والا اور ضائع نہ کرنے والا۔ (۴) مالک یوم الدین، اپنے بندوں کی عدالت کرنے والا۔ سو احمد وہ ہے جو ان چاروں صفتوں کو ظلّی طور پر اپنے اندر جمع کر لے۔ یہی وجہ ہے کہ احمد کا نام مظہرِ جمالی ہے اور اس کے مقابل پر محمد کا نام مظہرِ جلالی ہے۔ وجہ یہ کہ اسم محمدؐ میں سِرّ محبوبیت ہے کیونکہ جامع محامد ہے اور کمال درجہ کی خوبصورتی اور جامع المحامد ہونا جلال اور کبریائی کو چاہتا ہے لیکن اسم احمد میں سِرّ عاشقیت ہے کیونکہ حامدیت کو انکسار اور عشقی تذلّل اور فروتنی لازم ہے اسی کا نام جمالی حالت ہے اور یہ حالت فروتنی کو چاہتی ہے۔ ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم میں

شانِ محبوبیت بھی تھی جس کا اسم محمدؐ مقتضی ہے کیونکہ محمدؐ ہونا یعنی جامع جمیع محامد ہونا شان محبوبیت پیدا کرتا ہے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم میں شانِ محبیت بھی تھی جس کا اسم احمد مقتضی ہے کیونکہ حامد کے لئے محب ہونا ضروری ہے۔ ہر ایک شخص کسی کی سچی اور کامل تعریف تبھی کرتا ہے جبکہ اس کا محب بلکہ عاشق ہو اور عاشق اور محب ہونے کے لئے فروتنی لازم ہے اور یہی جمالی حالت ہے جو حقیقتِ احمدیہ کو لازم پڑی ہوئی ہے۔ محبوبیت جو اسم محمدؐ میں مخفی تھی، صحابہؓ کے ذریعہ سے ظہور میں آئی اور جو لوگ ہتک کرنیوالے اور گردن کش تھے محبوب الٰہی ہونے کے جلال نے اُن کی سرکوبی کی لیکن اسم احمد میں شانِ محبیت تھی یعنی عاشقانہ تذلّل اور فروتنی یہ شان مسیح موعود کے ذریعہ سے ظہور میں آئی۔ سو تم شانِ احمدیت کے ظاہر کرنے والے ہو۔ لہذا اپنے ہر ایک بے جا جوش پر موت وارد کرو اور عاشقانہ فروتنی دکھاؤ۔ خدا تمہارے ساتھ ہو۔ آمین"۔

(اربعین نمبر ۴ صـ۱۶ تا صـ۲۰)

سچے متّبعین اور محبّین کے لئے بشارات

حضرت مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں :-

"اُس نے اِس سلسلہ کے قائم کرنے کے وقت مجھے فرمایا کہ زمین میں طوفانِ ضلالت برپا ہے تو اِس طوفان کے وقت میں یہ کشتی تیار کر۔ جو شخص اِس کشتی میں سوار ہو گا وہ غرق ہونے سے نجات پا جائے گا اور جو انکار میں رہے گا اُس کے لئے موت درپیش ہے۔

اور فرمایا جو شخص تیرے ہاتھ میں ہاتھ دے گا اُس نے تیرے ہاتھ میں نہیں بلکہ خدا تعالیٰ کے ہاتھ میں ہاتھ دیا۔ اور اُس خداوند خدا نے مجھے بشارت دی کہ مَیں تجھے وفات دوں گا اور اپنی طرف اٹھا لوں گا مگر تیرے سچے متبعین اور محبّین قیامت کے دن تک رہیں گے اور ہمیشہ منکرین پر انہیں غلبہ رہے گا"۔

(فتح اسلام)

حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا عربی کلام

عیسائیوں کے فتنے

أُنْظُرْ إِلَى الْمُتَنَصِّرِيْنَ وَذَانِهِمْ   وَانْظُرْ إِلَى مَا بَدَءَ مِنْ أَدْرَانِهِمْ

عیسائیوں کو دیکھو اور اُن کے عیبوں کو اور ان کی اُن گندگیوں کو دیکھو جو اُن سے ظاہر ہوئیں

مِنْ كُلِّ حَدَبٍ يَنْسِلُوْنَ تَشَذُّرًا   وَيُنَجِّسُوْنَ الْأَرْضَ مِنْ أَوْثَانِهِمْ

وہ اپنی زیادتیوں اور تعدیوں کی وجہ سے ہر ایک بلندی سے چلے آ رہے ہیں اور اپنے بُتوں سے زمین کو ناپاک کر رہے ہیں

نَشْكُوْ إِلَى الرَّحْمٰنِ شَرَّ زَمَانِهِمْ   وَنَعُوْذُ بِالْقُدُّوْسِ مِنْ شَيْطَانِهِمْ

ہم ان کے زمانہ کے شر سے خدا تعالیٰ کے حضور شکوہ کرتے ہیں اور ان کے شیطان سے پاک پروردگار کی پناہ میں آتے ہیں۔

هُمْ يَعْبُدُوْنَ الْآدَمِيَّ كَمِثْلِهِمْ   هُمْ يَنْشُرُوْنَ الْفِسْقَ فِيْ أَوْطَانِهِمْ

وہ اپنے جیسے ایک آدمی کی پرستش کرتے ہیں۔ وہ اپنے وطنوں میں بدکاری کو پھیلاتے ہیں۔

اَلْعَيْنُ بَاكِيَةٌ عَلٰى حَالَاتِهِمْ   لِلْعَقْلِ حَسَرَاتٌ عَلٰى هَذَيَانِهِمْ

آنکھ ان کی حالت پر رو رہی ہے۔ اور عقل کو ان کی بدگوئیوں پر حسرتیں ہیں۔

لَا يَعْلَمُ النَّوْكٰى دَخِيْلَةَ أَمْرِهِمْ   مِنْ غَيْرِ رِقَّتِهِمْ وَلِيْنِ لِسَانِهِمْ

بیوقوف لوگ اُن کی اصل حقیقت کو نہیں جانتے۔ بس اِس قدر جانتے ہیں کہ وہ زبان کے نرم ہیں

وَاللّٰهِ لَوْ لَا ضَنْكُ عَيْشٍ مُقْلِقٍ   مَا مَالَ مُرْتَدٌّ إِلٰى أَدْيَانِهِمْ

بخدا اگر رزق کی تنگی کسی کو تکلیف نہ دیتی تو کوئی مرتد اُن کے دین کی طرف میل نہ کرتا۔

يَا رَبِّ أَحْمَدَ يَا إِلٰهَ مُحَمَّدٍ   اِعْصِمْ عِبَادَكَ مِنْ سُمُوْمِ دُخَانِهِمْ

اے احمد کے رب اور اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے معبود اپنے بندوں کو اُن کے دھوئیں کی زہر سے بچا۔

(درثمین عربی صفحہ ۱۰۹)

حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا فارسی کلام

جواں مرد و حبیبِ کردگار

(حضرت صاحبزادہ عبداللطیف صاحب شہیدؓ کا ذکرِ خیر)

آں جوانمرد و حبیبِ کردگار	جوہرِ خود کرد آخر آشکار

اُس جوانمرد اور خدا کے پیارے نے آخر کار اپنا جوہر ظاہر کر دیا۔

نقدِ جاں از بہرِ جاناں باختہ	دل ازیں فانی سرا پرداختہ

اُس نے معشوق کے لئے نقدِ جان کو لُٹا دیا اور اِس فانی گھر سے دل کو خالی کر لیا۔

پُر خطر ہست ایں بیابانِ حیات	صد ہزاراں اژدہایش در جہات

یہ زندگی کا میدان نہایت پُر خطر ہے۔ ہر طرف لاکھوں اژدہے موجود ہیں۔

صد ہزاراں آتشے تا آسماں	صد ہزاراں سیلِ خونخوار و دماں

لاکھوں شعلے آسمان تک بلند ہیں۔ اور لاکھوں خونخوار سیلاب ہیں کہ چلے آ رہے ہیں۔

صد ہزاراں فرسخے در کوئے یار	دشتِ پُر خار و بلایش صد ہزار

کوچۂ یار تک لاکھوں کوس کا فاصلہ ہے۔ کانٹوں کے جنگل ہیں اور ان میں لاکھوں بلائیں موجود ہیں۔

بنگر ایں شوخی ازاں شیخِ عجم	ایں بیاباں کرد طے از یک قدم

اِس شیخِ عجم کی یہ شوخی دیکھو کہ اس نے ایسے پُر خطر بیابان کو ایک ہی قدم میں طے کر لیا۔

ایں چنیں باید خدا را بندۂ	سر پئے دلدارِ خود افگندۂ

خدا کا بندہ ایسا ہی ہونا چاہیئے جو دلبر کی خاطر اپنا سر دے چکا ہو۔

(تذکرۃ الشہادتین)

کفّارہ کے متعلق مسیحی عقیدہ اور اس کا ردّ

(رقم فرمودہ حضرت خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ تعالیٰ)

سیّدنا حضرت خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز نے تفسیر کبیر میں قرآن مجید کی آیت وَاتَّقُوْا یَوْمًا لَّا تَجْزِیْ نَفْسٌ عَنْ نَّفْسٍ شَیْئًا وَّلَا یُقْبَلُ مِنْهَا شَفَاعَةٌ وَّلَا یُؤْخَذُ مِنْهَا عَدْلٌ وَّلَا هُمْ یُنْصَرُوْنَ ۝ (البقرہ آیت ۴۹) کی تفسیر بیان کرتے ہوئے کفّارہ کے متعلق یہودیوں اور عیسائیوں کے باطل عقائد کی نہایت پُر زور و پُر اثر انداز میں تردید فرمائی ہے اور ان کے بالمقابل قرآنی نظریہ میں بیان کردہ ابدی صداقت کو نہایت پُر معارف انداز میں واضح فرمایا ہے۔ ذیل میں اس لطیف تفسیر کا وہ حصّہ ہدیۂ قارئین کیا جا رہا ہے جس میں حضور نے کفارہ کے متعلق مسیحی عقیدہ کے بطلان پر روشنی ڈالی ہے۔ (ادارہ)

"پہلا باطل خیال جو یہود و نصاریٰ میں پیدا ہو گیا تھا اور اب تک موجود ہے اور جس کی تردید اس آیت میں قرآن کریم نے کی ہے یہ ہے کہ کوئی اور وجود اُن کے گناہوں کا کفّارہ ہو جائے گا اور وہ اپنے گناہوں کی سزا سے بچ جائیں گے ..... بنی اسرائیل کا دوسرا حصّہ وہ ہے جو مسیحی ہو چکا تھا اور یہ عقیدہ رکھتا تھا کہ مسیح نے صلیب پر موت پا کر مسیحیوں کے گناہوں کو اٹھا لیا۔ مسیحی اعتقاد رکھتے ہیں کہ قربانی جس کا حضرت موسیٰؑ نے حکم دیا تھا مسیح کی آمد کی خبر تھی اور اس سے اس خیال کو تازہ رکھا گیا تھا کہ خدا کا ایک برّہ یعنی مسیح دنیا میں آ کر قربان ہو گا اور دنیا کے گناہ اُٹھا لے گا۔ وہ کہتے ہیں ایک برّہ میں یہ طاقت نہیں کہ وہ سب دنیا کے گناہ اُٹھا لے لیکن خدا کے بیٹے میں یہ طاقت ہے کہ وہ دوسروں کے گناہ اُٹھا لے۔ وہ یہود کے اس خیال کو کہ ہمارے بزرگوں نے تکالیف اٹھا کر ہمارے گناہوں کا کفارہ کر دیا اس دلیل سے ردّ کرتے ہیں کہ وہ بزرگ بہر حال گنہگار تھے اور گنہ گار گنہ گار کا بوجھ نہیں اٹھا سکتا۔ پس مسیح جو بے گناہ تھا اُس میں یہ طاقت تھی کہ وہ دوسروں کے گناہ اُٹھائے۔ مسیح بغیر کسی گناہ کے صلیب پر لٹکایا گیا اور اس کی وجہ یہی تھی کہ وہ دوسروں کے گناہوں کی وجہ سے صلیب پر لٹکا۔ اسی طرح مسیح کے کفّارہ کی نسبت وہ یہ دلیل دیتے ہیں کہ گناہ انسان کو آدم کے گناہ کے نتیجہ میں ورثہ میں ملا۔ مسیح چونکہ بلا باپ تھے اس لئے وہ آدم کے گناہ کے وارث نہ تھے۔ پس وہی اس قابل تھے کہ بے گناہ ہوتے۔ اور چونکہ وہ بے گناہ

اس لئے وہی انسانوں کے گناہ کا کفارہ ہو سکتے تھے۔ بعض مسلمانوں نے اُن کے اِس خیال کی نادانی سے اِس طرح تائید کردی کہ وہ کہتے ہیں سوائے مسیح اور اُن کی ماں کے کوئی مَسّ شیطان سے پاک نہیں۔ گویا وہ اِس خیال کی وجہ سے مسیحیوں سے بھی ایک ہاتھ آگے چلے گئے۔ جبکہ مسیحی صرف مسیح کو کلّی طور پر بے گناہ کہتے ہیں وہ اُن کی ماں کو بھی مسّ شیطان سے اِس طرح پاک قرار دیتے ہیں جس طرح اور کوئی نبی مسّ شیطان سے پاک نہیں ہوا۔ (نعوذ باللہ من ذالک)

مسیح کے بے گناہ ہونے اور صلیب پر چڑھ کر لوگوں کے گناہ اُٹھا لینے کے متعلق حضرت مسیح کا ایک قول بھی نقل نہیں کیا جاتا اور نہ نقل کیا جا سکتا ہے کیونکہ حضرت مسیح علیہ السلام کی تعلیم سراسر اس کے خلاف ہے (اگر ایسا حوالہ ہوتا بھی تو وہ قابلِ اعتبار نہ تھا کیونکہ موجودہ اناجیل سخت محرف و مبدّل ہیں) ہاں حواریوں کے بعض اقوال اِس بارہ میں نقل کئے جاتے ہیں جن میں سے بعض یہ ہیں "جیسا کہ کتابوں میں لکھا ہے مسیح ہمارے گناہوں کے واسطے مرا" (۱۔قرنتیوں باب ۱۵ آیت ۳) "اس نے (یعنی مسیح نے) موت کی اذیت کے سبب جلال و عزّت کا تاج پایا تاکہ وہ خدا کے فضل سے سب آدمیوں کے لئے موت کا مزہ چکھے" (عبرانیوں باب ۲ آیت ۹، ۱۰) "تاکہ وہ (یعنی مسیح) لوگوں کے گناہوں کا کفارہ کرنے کے واسطے ایک رحیم اور دیانتدار سردار کاہن ٹھہرے۔" (عبرانیوں باب ۲ آیت ۱۷) "مسیح نے ہمیں مول لے کر شریعت کی لعنت سے چھڑایا کہ وہ ہمارے بدلہ میں لعنتی ہوا کیونکہ لکھا ہے جو کوئی کاٹھ پر لٹکایا گیا سو لعنتی ہوا۔" (گلتیوں باب ۳ آیت ۱۳) اِن حوالوں سے اور بعض ایسے ہی اور حوالوں سے مسیحی نتیجہ نکالتے ہیں کہ مسیح بے گناہ تھا مگر وہ ایسی موت مرا جو لعنتیوں کی موت ہے کیونکہ وہ کاٹھ پر لٹکایا گیا جو تورات کی رُو سے لعنتیوں کی موت ہے۔ پس معلوم ہوا کہ اُس کی موت اُس کے اپنے لئے نہ تھی بلکہ دوسرے گنہگاروں کے لئے تھی تاکہ وہ اُن کے لئے کفارہ ہو جائے۔

یہ خیال یہود کے اُن خیالات کا نتیجہ ہے جو اُن میں آخری زمانہ میں پیدا ہو گئے تھے کہ بزرگ لوگ جو تکلیف اٹھاتے ہیں اس کا سبب قوم کو گناہوں کی سزا سے بچانا ہوتا ہے۔ مگر یہ خیالات بائیبل کی دوسری آیات کے بالکل خلاف ہیں مسیح علیہ السلام خود فرماتے ہیں "اور جو کوئی اپنی صلیب اٹھا کے میرے پیچھے نہیں آتا میرے لائق نہیں۔" (متی باب ۱۰ آیت ۳۸) یہی بات بہ تغیّر الفاظ دوسری اناجیل میں بھی ہے۔ اِس آیت کے مضمون سے ظاہر ہے کہ مسیح علیہ السلام اپنی صلیب سے لوگوں کی نجات وابستہ نہیں بتاتے بلکہ ہر اک شخص کا خود صلیب پر لٹکنا اسکی نجات کے لئے ضروری قرار دیتے ہیں۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے واقعات میں بھی جو موسوی سلسلہ کے بانی تھے اور جن کی تعلیم کو قائم کرنے کا دعویٰ حضرت مسیح کرتے ہیں اِس قسم کے کفارہ کی تردید پائی جاتی ہے۔ تورات میں لکھا ہے کہ جب حضرت موسیٰ علیہ السلام پہاڑ پر چالیس راتوں کے لئے گئے اور اُن کے پیچھے بنی اسرائیل نے بچھڑا بنا لیا تو اللہ تعالیٰ

کا غضب بنی اسرائیل پر بھڑکا اور اس نے اُن کے تباہ کرنے کا ارادہ ظاہر کیا۔ لکھا ہے "پھر خداوند نے موسیٰ سے کہا کہ میں اس قوم کو دیکھتا ہوں کہ ایک گردن کش قوم ہے اب تو مجھ کو چھوڑ کہ میرا غضب ان پر بھڑکے اور میں انہیں بھسم کروں اور میں تجھ سے ایک بڑی قوم بناؤں گا" (خروج باب ۳۲ آیت ۹، ۱۰) اس کے بعد لکھا ہے کہ موسیٰ علیہ السلام اپنی قوم کی طرف آئے اور شرک پر ناراضگی ظاہر کی۔ اور پھر لکھا ہے "دوسرے دن صبح کو یوں ہوا کہ موسیٰ نے لوگوں سے کہا تم نے بڑا گناہ کیا اور اب میں خداوند کے پاس اوپر جاتا ہوں کہ شاید میں تمہارے گناہ کا کفارہ کروں۔ چنانچہ موسیٰ خداوند کے پاس پھر گیا اور کہا کہ ہائے ان لوگوں نے بڑا گناہ کیا کہ اپنے لئے سونے کا معبود بنایا اور اب کاش کہ تو ان کا گناہ معاف کرتا مگر نہیں۔ تو میں تیری منت کرتا ہوں کہ مجھے اپنے دفتر سے جو تو نے لکھا ہے میٹ دے۔" (خروج باب ۳۲ آیت ۳۰ تا ۳۲) ان آیات سے ظاہر ہے کہ اپنی قوم کو حضرت موسیٰ ان کے گناہوں کا کفارہ دینے کا وعدہ کرکے پہاڑ پر گئے اور انہوں نے خدا تعالیٰ سے عرض کی کہ یا تو ان کا گناہ یوں ہی معاف کر دے، نہیں تو مجھے تباہ کرکے ان کے گناہوں کا کفارہ کر دے۔ اس التجا کا حضرت موسیٰ علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے یہ جواب نہیں دیا کہ تو تو گنہ گار ہے۔ گنہ گار گنہگار کا کیونکر کفارہ ہو سکتا ہے بلکہ اللہ تعالیٰ نے ان کو یہ جواب دیا کہ "وہ جس نے میرا گناہ کیا ہے میں اسی کو اپنے دفتر سے میٹ دوں گا" (آیت ۳۳) اس جواب سے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کسی گنہگار کے بدلہ میں کسی دوسرے کو سزا نہیں دیتا بلکہ اس کا قانون یہی ہے کہ وہ گنہگار ہی کو سزا دیتا ہے۔ اس تعلیم کی موجودگی میں یہ کہنا کہ مسیح اپنی قوم کے گناہوں کے لئے صلیب پر لٹکائے گئے بائیبل کی تعلیم کے خلاف ہے۔ شاید کوئی کہے کہ یہ تعلیم مسیح علیہ السلام کے وقت میں منسوخ ہو گئی۔ مگر یہ تو ایک ازلی صداقت ہے اور ازلی صداقتیں منسوخ نہیں ہوا کرتیں۔ انسانوں کے متعلق احکام بدل سکتے ہیں خدا تعالیٰ کی سنتیں نہیں بدل سکتیں۔

جن دلائل پر مسیحیت کفارہ کی بنیاد رکھتی ہے وہ بھی عقلاً اور نقلاً غلط ہیں مثلاً یہ کہ انسان کو ورثہ میں گناہ ملا ہے اس لئے وہ اس پر غالب نہیں آ سکتا، گویا انسان کی فطرت ہی گنہگار ہے۔ قرآن کریم اس کو رد فرماتا ہے اور فرماتا ہے لَقَدْ خَلَقْنَا الْإِنْسَانَ فِيْ أَحْسَنِ تَقْوِيْمٍ (التین ع ۱) ہم نے یقیناً انسان کو ہر قسم کی کجی سے پاک قوتوں کے ساتھ پیدا کیا ہے۔ اسی طرح رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کُلُّ مَوْلُوْدٍ يُوْلَدُ عَلَى الْفِطْرَةِ (بخاری جلد اول کتاب الجنائز) ہر بچہ کامل فرمانبرداری کی روح لے کر پیدا ہوتا ہے۔ عجیب بات ہے کہ مسیحی ایک طرف تو یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ ورثہ کے گناہ پر انسان غالب نہیں آ سکتا اور اس لئے کفارہ کے لئے ایک ایسے وجود کی ضرورت تھی کہ جو بلا باپ پیدا ہوا ہو لیکن دوسری طرف وہ اس امر کا بھی دعویٰ کرتے ہیں کہ وہ دو ہی انسان جنہیں ورثہ کا گناہ نہ ملا تھا یعنی آدم اور حوا وہ دونوں گنہگار تھے۔ اگر وہ دونوں انسان جنہوں نے ورثہ میں

گناہ نہ پایا تھا گنہگار تھے تو پھر یہ کیونکر معلوم ہوا کہ جن کو ورثہ میں گناہ نہ ملے وہ پاک رہ سکتے ہیں۔ یہ امر تو تب ثابت ہوتا کہ اگر کئی مثالیں ایسی بھی پائی جاتیں کہ ورثہ میں گناہ نہ پا کر لوگ بے گناہ رہ گئے ہوتے۔ مگر مسیحیوں کے نزدیک تو دو ہی ایسے وجود تھے اور دونوں ہی گنہ گار تھے۔ تیسرا وجود حضرت مسیح کا ان کے نزدیک ہے لیکن حضرت مسیح کی نسبت یہ کہنا کہ بوجہ بے باپ ہونے کے اُن کو ورثہ میں گناہ نہ ملا تھا محض ایک تحکّم کا فیصلہ ہے کیونکہ بچہ صرف اپنے باپ کی قوتوں کو ورثہ میں نہیں لیتا بلکہ ماں کی قوتوں کو بھی ورثہ میں لیتا ہے۔ نہ معلوم کس نادان نے اس مسئلہ کو ایجاد کرنے والے کے دل میں یہ شبہ ڈال دیا کہ بچہ صرف اپنے باپ کی خصلتیں لیتا ہے۔ بچہ جس طرح باپ کی خصلتیں لیتا ہے اسی طرح ماں کی خصلتیں لیتا ہے۔ بعض دفعہ بچہ باپ کی شکل پر ہوتا ہے بعض دفعہ ماں کی شکل پر، بعض دفعہ باپ کی قوتوں کا حصہ اس میں زیادہ ہوتا ہے بعض دفعہ ماں کی قوتوں کا، اور بعض دفعہ برابر برابر۔ پس اگر مسیح کا باپ نہ تھا تو اس سے یہ کیونکر نتیجہ نکلا کہ ان میں ورثہ کا گناہ نہ آیا تھا۔ وہ حضرت مریم کے پیٹ میں پلے اور ماں کی خصوصیات کے وارث ہوئے اور عورت مسیحیوں کے نزدیک اسی طرح گنہگار ہے جس طرح مرد۔ بلکہ بائیبل کی رُو سے شیطان نے چونکہ حوا کے ذریعہ آدم کو ورغلایا تھا (پیدائش باب ۳ آیات ۱ تا ۷) اس سے معلوم ہوتا ہے کہ شیطان عورت کو مرد کی نسبت گناہ کے زیادہ قریب سمجھتا تھا تبھی اُس نے براہِ راست آدم کو ورغلانے کی کوشش نہ کی۔ پس جو بچہ بائیبل کے بیان کے مطابق حضرت حوا کی کمزوری لے کر پیدا ہوا وہ گناہ کے زیادہ قریب تھا بہ نسبت اُن بچوں کے جو آدم کی نسبتی طاقت سے حصہ لیتے ہیں۔

خود مسیح علیہ السلام کی اپنی رائے اپنے بارہ میں انجیل کے مطابق یہ ہے۔ لکھا ہے کہ ایک شخص مسیح کے پاس آیا اور اُن سے کہا "اے نیک اُستاد میں کونسا نیک کام کروں کہ ہمیشہ کی زندگی پاؤں۔ اُس نے اُس سے کہا تو مجھے کیوں نیک کہتا ہے نیک تو کوئی نہیں مگر ایک یعنی خدا۔" (متی باب ۱۹ آیت ۱۶، ۱۷) ان آیات سے ظاہر ہے کہ حضرت مسیح اپنے آپ کو نیک نہیں قرار دیتے۔ پھر انہیں ایک ہی نیک قرار دے کر کفارہ کی بنیاد اس پر رکھنا کہاں تک درست فعل ہو سکتا ہے۔ اس جگہ مجھے افسوس سے کہنا پڑتا ہے کہ بانی سلسلہ احمدیہ حضرت مرزا غلام احمد مسیح موعود علیہ السلام نے جب اس آیت کو پیش کر کے مسیحیوں کے کفارہ کے عقیدہ پر اعتراض کیا تو اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ جو آیت اُنیس سو سال تک بقول مسیحیوں کے انجیل کا حصہ تھی تازہ اناجیل میں اسے بدل دیا گیا۔ کم سے کم اُردو کے تراجم میں سے اسے بدل دیا گیا اور کہا یہ گیا کہ اس کا ترجمہ غلط ہوتا رہا ہے، مسیح علیہ السلام نے یہ نہیں کہا تھا کہ تو مجھے نیک کیوں کہتا ہے بلکہ یہ کہا تھا کہ تو مجھ سے نیکی کی بابت کیوں پوچھتا ہے۔ مگر ہر شخص سمجھ سکتا ہے کہ انیس سو سال تک جو غلطی معلوم نہیں ہوئی وہ بانی سلسلہ احمدیہ کے اعتراض کے بعد یکایک کیونکر معلوم ہو گئی۔ ظاہر ہے کہ یہ ایک دلیرانہ تحریف ہے جو اس زمانہ میں جبکہ پریس کو ایجاد ہوئے سینکڑوں سال گزر گئے ہیں اور کروڑوں

اناجیل ہر زبان میں شائع ہو چکی ہیں کی گئی ہے۔ جو قوم اس قدر دلیرانہ تحریف پریس کی ایجاد کے بعد کر سکتی ہے اُس سے پریس کی ایجاد سے پہلے کیا کچھ تحریف کی اُمید نہیں کی جا سکتی۔ مگر یہ سب کچھ بائیبل کے بیان کے مطابق ہے ورنہ جیسا کہ میں نے بتایا ہے اسلام کے نزدیک تو سب ہی بچے نیک فطرت لے کر پیدا ہوتے ہیں خصوصاً اللہ تعالےٰ کے انبیاء خواہ وہ مسیح ہوں یا موسیٰ یا کوئی اور سب کے سب اللہ تعالیٰ کی حفاظت میں تھے مسیح علیہ السلام کو کوئی خصوصیت حاصل نہ تھی۔

اِس بارہ میں یہ بھی یاد رکھنے کے قابل ہے کہ مسیح کے کفارہ کی دوسری بنیاد اِس پر ہے کہ وہ لوگوں کی خاطر اور ان کے گناہ اٹھانے کے لئے صلیب پر لٹک کر مرے ...... اِس جگہ کے مناسبِ حال میں صرف اتنا کہنا کافی سمجھتا ہوں کہ نہ تو مسیح کا اپنی مرضی سے صلیب پر لٹکنا انجیل سے ثابت ہے نہ ان کا صلیب پر مرنا۔ انجیل میں صاف لکھا ہے کہ حضرت مسیح ساری رات اللہ تعالیٰ سے دعا کرتے رہے کہ وہ اُن کو صلیب سے بچا لے۔ چنانچہ لکھا ہے "پھر آگے بڑھ کے (مسیح) مُنہ کے بل گرا اور دعا مانگتے ہوئے کہا کہ اے میرے باپ اگر ہو سکے تو یہ پیالہ مجھ سے گزر جائے۔ تو بھی میری خواہش نہیں بلکہ تیری خواہش کے مطابق ہو" (متی باب ۲۶ آیت ۳۹) کیا عقل تسلیم کر سکتی ہے کہ جو شخص آسمان سے گنہگاروں کے گناہ اٹھانے کے لئے اپنی مرضی سے آیا وہ اِس طرح رو رو کر اور سجدہ میں گر گر اس سے بچنے کی کوشش کرتا رہا۔ مسیحی کہتے ہیں کہ مسیح نے ساتھ ہی یہ بھی تو کہا کہ خدا کی مرضی پوری ہو۔ بے شک ایسا ہی لکھا ہے مگر اس سے یہ تو معلوم ہوا کہ مسیح کی اپنی مرضی لوگوں کے گناہوں کا کفارہ بننے کی نہ تھی۔ پھر وہ کفارہ ہو کس طرح گیا۔ کیا خدا تعالیٰ نے ظلماً ایک انکاری شخص کے کندھوں پر لوگوں کا بوجھ ڈال دیا۔ مسیح کی شدّتِ مخالفت تو ہم اِس حد تک دیکھتے ہیں کہ جب اسے صلیب پر لٹکایا گیا تو بقول اناجیل اُس نے کہا "ایلی ایلی لما سبقتانی" (متی باب ۲۷ آیت ۴۶) یعنی اے میرے خدا، اے میرے خدا تُو نے مجھے کیوں چھوڑ دیا۔ اِس حوالہ سے تو اُس تشریح کی بھی تردید ہو جاتی ہے جو مسیحی پہلے حوالہ کی کرتے ہیں۔ یعنی مسیح علیہ السلام نے خدا کی مرضی کو مقدم کر لیا تھا۔ کیونکہ انجیل کہتی ہے کہ جب خدا کی مرضی ظاہر ہو ہی گئی اور مسیح صلیب پر لٹک گئے تو انہوں نے بجائے رضامندی ظاہر کرنے کے خدا تعالےٰ سے نعوذ باللہ شکوہ کرنا شروع کر دیا کہ تُو نے مجھے کیوں چھوڑ دیا ہے۔ خلاصہ یہ کہ حضرت مسیح کسی صورت بھی یہ نہیں چاہتے تھے کہ انہیں صلیب پر لٹکایا جائے۔ بس یہ کہنا کہ وہ انسانوں کے گناہ اُٹھانے کے لئے دنیا میں آئے تھے بالکل باطل ہے۔ اگر وہ اِس غرض کے لئے دنیا میں آئے ہوتے تو کبھی اُس واحد ذریعہ سے جو مسیحیوں کے خیال میں لوگوں کو گناہ سے بچانے کا تھا اپنے آپ کو بچانے کی کوشش نہ کرتے۔

اب رہا دوسرا سوال کہ کیا مسیح علیہ السلام واقعہ میں صلیب پر فوت ہو گئے ؟ سو اِس بارہ میں اختصاراً خود حضرت مسیح علیہ السلام کی شہادت یہ ہے کہ ایک دفعہ ان کے پاس فقیہوں اور فریسیوں کا ایک وفد آیا اور درخواست

کی کہ انہیں ایک نشان دکھایا جائے۔ اِس پر حضرت مسیح نے فرمایا کہ اِس زمانہ کے بد اور حرامکار لوگ نشان ڈھونڈتے ہیں پر یونس نبی کے نشان کے سوا کوئی نشان انہیں دکھایا نہ جائے گا کیونکہ جیسا کہ یونس تین رات دن مچھلی کے پیٹ میں رہا ویسا ہی ابن آدم تین رات دن زمین کے اندر رہے گا۔" (متی باب ۱۲ آیات ۳۹، ۴۰)۔ یونس نبی مچھلی کے پیٹ میں زندہ گئے تھے، اس کے پیٹ میں زندہ رہے تھے اور اس کے پیٹ سے زندہ ہی نکلے تھے۔ پس معلوم ہوا کہ مسیح علیہ السلام بھی قبر میں زندہ ہی گئے اور زندہ ہی رہے اور یہ خیال کہ مسیح صلیب پر مر گئے تھے ایک باطل خیال ہے۔ اور جب وہ مرے ہی نہیں تو ان کا دوسروں کے گناہوں کی خاطر موت قبول کرنے کا مسئلہ بھی سراسر باطل ٹھہرا۔ اب ہم حضرت مسیح کو نعوذ باللہ جھوٹا کہیں یا اُن لوگوں کو جو انہیں صلیب پر مار کر قبر میں مُردہ ہی کی حیثیت میں داخل کرتے ہیں اور مُردہ ہی کی حیثیت میں رکھتے ہیں ......

خلاصہ یہ کہ قرآن کریم کا یہ دعویٰ کہ کوئی جان کسی جان کے قائم مقام کے طور پر خدا تعالیٰ کے حضور میں پیش نہیں ہوسکتی نہایت سچا اور عقل کے مطابق دعویٰ ہے۔ اور خود یہود اور نصاریٰ کی کتب اور حضرت موسےٰ علیہ السلام اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے اقوال اِس کے مؤید ہیں۔ اور اس کے برخلاف جو خیالات یہود اور نصاریٰ میں پائے جاتے ہیں صرف ایک باطل خواہش کے نتیجہ میں پیدا ہوئے ہیں اور انہوں نے اپنے بزرگوں کو اپنے گناہوں کے بدلہ میں قربانی کے طور پر پیش کر کے ان بزرگوں کی سخت ہتک کی ہے اور گناہ کا دروازہ بہت وسیع کر دیا ہے۔"

(تفسیر کبیر جلد اول صفحہ ۴۰۴ تا ۴۱۱)

ایک دوسرے کا بوجھ نہیں اُٹھا سکتا

حضرت مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں :-

"میں یہ تعلیم کبھی دینا نہیں چاہتا اور نہ اسلام نے دی کہ تم اپنے گناہوں کی گٹھڑی کسی دوسرے کی گردن پر لاد دو اور خود آرام کی زندگی بسر کرو۔ قرآن شریف نے صاف فیصلہ کر دیا ہے لَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِّزْرَ اُخْرٰی ایک، دوسرے کا بوجھ نہیں اٹھا سکتا۔"

(ملفوظات جلد چہارم صفحہ ۲۲۶)

حضرت مسیح موعودؑ کی بعثت کا مقصد

اور

انصار اللہ کی اہم ذمّہ داری

(محترم صاحبزادہ مرزا ناصر احمد صاحب صدر مجلس انصار اللہ مرکزیہ)

محترم صاحبزادہ مرزا ناصر احمد صاحب صدر مجلس انصار اللہ مرکزیہ نے مورخہ ۲۰ مئی ۱۹۶۳ء کو احمدیہ ہال کراچی میں انصار اللہ کے ایک اجلاسِ عام سے خطاب کرتے ہوئے انہیں ان کی اہم ذمہ داریوں کی طرف نہایت بصیرت افروز پیرائے میں توجہ دلائی تھی۔ آپ کی اس پُرمعارف تفصیلی تقریر کا خلاصہ منتظم صاحب عمومی مجلس انصار اللہ کراچی نے اپنے الفاظ میں ہمیں بغرضِ اشاعت ارسال فرمایا ہے۔ حضرت میاں صاحب موصوف نے جن امور کی طرف توجہ دلائی ہے اور جو اختصار کے ساتھ اس خلاصہ میں درج کر دئے گئے ہیں وہ اس قدر اہم ہیں کہ ان کا احباب جماعت تک پہنچنا ازبس ضروری ہے۔ لہٰذا ہم منتظم صاحب عمومی مجلس انصار اللہ کراچی کے شکریہ کے ساتھ یہ خلاصہ ہدیۂ قارئین کر رہے ہیں۔

(ادارہ)

اللہ تعالیٰ کے انبیاء اور مامورین جب دنیا میں مبعوث ہوتے ہیں تو وہ ایک آسمانی مشن لے کر دنیا میں آتے ہیں۔ ایک خاص مقصد ان کے سامنے ہوتا ہے جس کی تکمیل کے لئے وہ ایک عظیم الشان جدّوجہد کا آغاز کرتے ہیں اور اُس وقت تک دم نہیں لیتے جب تک کہ وہ مقصد بہ تمام و کمال پورا نہ ہو جائے۔ چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ جب سیّد ولد آدم رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم انبیائے ماسبق کی پیشگوئیوں کے مطابق ہمیشہ ہمیش قائم رہنے والی کامل ترین شریعت لے کر مبعوث ہوئے تو آپ نے اپنی بعثت کا مقصد بیان کرتے ہوئے اعلان فرمایا مجھے اس لئے بھیجا گیا ہے کہ میں انسانیت کے اس دورِ جدید میں سنِ بلوغ کو پہنچے ہوئے انسانی ذہن کے سامنے ایک ایسا لائحہ عمل رکھوں کہ جو اسے دینی و دنیوی لحاظ سے ترقی کی معراج تک پہنچانے کا ضامن ہو اور انہیں ان کے مقصدِ حیات میں کامیابی سے ہمکنار کر نیوالا ہو۔ آپ نے فرمایا۔ اسی لئے مجھے وہ شریعت دی گئی ہے جو ہر لحاظ سے کامل ہے اور جس میں کسی ترمیم یا تنسیخ کی گنجائش نہیں اور اسی لئے

یہ قیامت تک جاری رہے گی۔ خدا تعالیٰ کا یہ بے مثل کلام جو مجھ پہ نازل ہوا ہے اور جو قرآنِ مجید کی شکل میں ہمیشہ ہمیش کے لئے محفوظ کر دیا گیا ہے حقائق و دقائق اور علوم و معارف سے پُر ہے۔ اس سے نہ صرف روحانی بیماریاں دور ہو کر روحانی لحاظ سے انسان کو صحت و تندرستی اور قوت و توانائی ملتی ہے بلکہ دنیوی مشکلات اور معاشرہ کی الجھنوں کا علاج بھی اسی میں مضمر ہے۔ آئندہ روحانی بیماریوں اور معاشرہ کی الجھنوں کو دور کرنے کے سلسلہ میں ذہنی و فکری اور علمی و عملی لحاظ سے جو اشکال بھی پیش آئیں گے انہیں قرآن حل کرتا چلا جائے گا۔

آپ کے دعویٔ رسالت اور اس آخری اور کامل شریعت پر جو لوگ ایمان لائے انہوں نے آپ کے دعوے کی ہمہ گیر نوعیت اور زمانی و مکانی اعتبار سے اس کی بے اندازہ وسعت کے عین مطابق اس حقیقت کو اچھی طرح سمجھ لیا کہ ہمارا محض ایمان لے آنا ہی کافی نہیں ہے بلکہ ہمارا فرض ہے کہ جس طرح آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بنی نوع انسان کی روحانی و مادی فلاح کے لئے اپنی جان گداز کر دکھائی ہے اسی طرح ہم بھی اس راہ میں اپنی زندگیاں وقف کر دکھائیں اور اللہ کے راستے میں اپنے اموال اپنی عزتیں اور اپنی جانیں قربان کرنے میں کوئی کسر اٹھا نہ رکھیں۔ اگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہؓ ذاتی فلاح کو ہی کافی سمجھتے تو وہ اپنے گھروں میں بیٹھ رہتے اور اپنی زندگیوں کو اسلام کے مطابق ڈھال کر آئندہ زندگی کے متعلق مطمئن ہو جاتے لیکن انہوں نے اسے کافی نہیں سمجھا۔ وہ جانتے تھے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم صرف ہماری اصلاح اور ہماری فلاح کے لئے ہی تشریف نہیں لائے ہیں۔ آپ کی بعثت کا مقصد اس سے کہیں ارفع و اعلیٰ ہے۔ آپ تمام جہان اور تمام زمانوں کے لئے رسول بنا کر بھیجے گئے ہیں۔ ہمارا فرض ہے کہ ہم صرف اپنی فلاح پر ہی اکتفا نہ کریں بلکہ تمام بنی نوعِ انسان کی فلاح کو اپنا مطمحِ نظر بنائیں۔ یہی وجہ ہے وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے مشن کو کامیاب بنانے کی خاطر اپنا سب کچھ قربان کرنے کو تیار ہو گئے۔

اُدھر کفر نے یہ سکیم بنائی کہ کمزور و ضعیف اور نحیف و نزار صحابہؓ کی طرف سے جو خدائی آواز بلند ہوئی ہے اسے طاقت کے بل پہ دبا دیا جائے۔ کفار نے فی الواقعہ اس آواز کو دبانے میں اپنی پوری طاقت صرف کر ڈالی۔ دوسری طرف صحابہؓ نے جو خدا تعالیٰ کی راہ میں اپنا سب کچھ قربان کرنے کا عزم کر چکے تھے پوری مستعدی، ذمہ داری اور فرض شناسی کا ثبوت دیا۔ کوئی چیز بھی ان کے اس عزم کے بروئے کار آنے میں روک نہ بن سکی۔ وہ خدا تعالیٰ کی آواز کو جسے انہوں نے اُسی کے حکم سے بلند کیا تھا بلند سے بلند تر کرتے چلے گئے۔ انہوں نے اس راہ میں کسی بھی قربانی سے دریغ نہ کیا۔ اُن کی اس قربانی پہ خدا تعالیٰ نے اپنے وعدہ کے مطابق وہ عظیم الشان معجزہ ظاہر فرمایا کہ جس پہ آج بھی دنیا والے حیرت زدہ ہوئے بغیر نہیں رہتے۔ اس نے جاہ و حشمت رکھنے والی قوموں کے خونخوار اور جابر سرداروں کو مسلمانوں کی ٹوٹی ہوئی زنگ آلود تلواروں سے ہلاک کروا ڈالا اور بہت قلیل عرصہ میں مسلمانوں کو بحر و بر کا مالک بنا دیا۔ خدا تعالیٰ نہیں چاہتا تھا اور اُس کے منشاء کے مطابق مسلمان بھی اس بات کو گوارا کرنے کے لئے تیار نہ

تھے کہ اسلام کے مقابلہ میں کفر کامیاب ہو۔ وہ بدر کے میدان میں اِس یقین کے ساتھ گئے تھے کہ ہم ۳۱۳ کے ۳۱۳ بھی مارے گئے تب بھی اسلام ناکام نہیں ہوگا۔ ایسی صورت میں خدا ایک اور قوم کو کھڑا کر دے گا اور وہ کفر کو صفحۂ ہستی سے مٹا کر رکھ دے گی۔ یہی وہ عزم اور یقین تھا جو خدائی نصرت کے ماتحت مسلمانوں کو کامیاب کرتا چلا گیا۔ صحابہؓ نے جس والہانہ جذبے کے ساتھ قربانیاں پیش کیں تاریخ اِس کی مثال پیش کرنے سے قاصر ہے۔ ان کا یہ والہانہ جذبہ ہی تھا جس کے زیرِ اثر وہ تھوڑے ہوتے ہوئے بھی عظیم لشکروں کے سامنے ڈٹ جاتے تھے اور بالآخر فتحیاب ہو کر ہی واپس لوٹتے تھے۔ پھر انہی صحابہؓ میں سے وہ جانباز پیدا ہوئے جو اپنی جانیں ہتھیلی پر رکھ کر اپنے گھروں سے نکل کھڑے ہوئے۔ جغرافیائی حدود پھاند کر اور سمندر عبور کر کے وہ دنیا کے مختلف علاقوں میں پہنچے اور وہاں اسلام کا پیغام پہنچا کر اور مختلف اقوام کو اسلام کی آغوش میں لا کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے مشن کو پورا کیا۔

ہمیں بھی خدا تعالیٰ نے ایک مامور کو جسے اس نے اسلام کی نشأۃِ ثانیہ کے لئے مبعوث کیا ہے ماننے کی توفیق عطا فرمائی ہے۔ وہ مامور اسلام کو دوبارہ زندہ کرنے اور تبلیغ و اشاعت کے ذریعے اسے ساری دنیا میں غالب کرنے کے لئے آیا ہے۔ ہم بھی کسی صورت اِس بات پر اکتفا نہیں کر سکتے کہ ہم نے خدا کے مامور کو مان لیا ہے اور اس کی تعلیم کے مطابق اپنی زندگیوں کو ڈھال کر اعمال درست کر لئے ہیں۔ بے شک یہ بھی ایک اہم فرض ہے اور اس کو ادا کرنا بھی ضروری ہے لیکن جس مامور کو ہم نے مانا ہے اُس کی بعثت کی صرف اتنی ہی غرض نہیں ہے۔ اُس کی بعثت کی غرض ساری دُنیا کو اسلام کا حلقہ بگوش بنا کر تمام بنی نوعِ انسان کی زندگیوں میں انقلاب پیدا کرنا ہے۔ انہیں محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی غلامی میں لا کر خدائے واحد کا پرستار بنانا ہے۔ پس ہمارا کام یہیں ختم نہیں ہو جاتا کہ ہم مامور پر ایمان لا کر اپنی زندگیوں کو اسلامی احکام کے مطابق بنالیں۔ ہمیں اس سے آگے قدم بڑھا کر ایک بہت بڑی منزل سر کرنی ہے۔ ہمیں اس مامور کی لائی ہوئی روشنی یعنی حقیقی اسلام کو دُنیا کے ایک سرے سے لے کر دوسرے سرے تک پھیلانا ہے اور دنیا کے چپّہ چپّہ پر خدا کی بادشاہت کو قائم کرنا ہے۔ یہ کام اپنی زندگیوں میں انقلاب پیدا کرنے کے ساتھ ساتھ بہت عظیم جدوجہد اور عظیم قربانیوں کا متقاضی ہے۔ ہم اُس وقت تک چین سے بیٹھ ہی نہیں سکتے جب تک کہ یہ عظیم مقصد پورا نہ ہو جائے۔ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اپنی بعثت کا مقصد مختصراً اِن الفاظ میں بیان فرمایا ہے۔ حضورؑ فرماتے ہیں:۔

" (پہلا کام مسیح کا یہ ہے کہ) اُس کا آنا اِس لئے خدائے تعالیٰ کی طرف سے مقرر کیا گیا ہے کہ تا تمام لوگوں پر دینِ اسلام کی سچائی کی حجت پوری کرے تا دنیا کی ساری قوموں پر خدا تعالیٰ کا الزام وارد ہو جائے۔ اِسی کی طرف اشارہ ہے کہ جو کہا گیا ہے کہ مسیح کے دم سے کافر مرینگے

یعنی دلائلِ بیّنہ اور براہینِ قاطعہ کی رُو سے وہ ہلاک ہو جائیں گے۔

دوسرا کام مسیح کا یہ ہے کہ اسلام کو غلطیوں اور الحاقاتِ بےجا سے منزّہ کر کے وہ تعلیم جو روح اور راستی سے بھری ہوئی ہے خلق اللہ کے سامنے رکھے۔

تیسرا کام مسیح کا یہ ہے کہ ایمانی نور کو دنیا کی تمام قوموں کے مستعد دلوں کو بخشے اور منافقوں کو مخلصوں سے الگ کر دیوے۔ سو یہ تینوں کام خدا تعالیٰ نے اس عاجز کے سپرد کئے ہیں اور حقیقت میں ابتداء سے یہی مقرر ہے کہ مسیح اپنے وقت کا مجدّد ہوگا اور اعلیٰ درجہ کی تجدید کی خدمت خدائے تعالیٰ اُس سے لے گا۔ اور یہ تینوں امور وہ ہیں خدائے تعالیٰ نے ارادہ فرمایا ہے جو اس عاجز کے ذریعہ سے ظہور میں آویں۔ سو وہ اپنے ارادے کو پورا کرے گا اور اپنے بندہ کا مددگار ہوگا۔"

(ازالہ اوہام صفحہ ۵۸، ۵۹)

اس اقتباس میں حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اپنی بعثت کے مقصد کو تین حصوں میں تقسیم فرمایا ہے۔ **اوّل** اسلام کی حقانیت دوسری قوموں پر ثابت کرنا۔ **دوم** بطور حَکَم فیصلہ کر کے اعتقادی اختلافات کو دُور کرنا۔ **سوم** اپنی قوتِ قدسیہ کے ذریعے عملی طور پر ایک جماعت قائم کرنا اور اس جماعت کی عملی زندگی اسلام کے سانچے میں ڈھالنا۔ ان ہر سہ گونا مقاصد سے ظاہر ہے کہ ہمیں سب سے اوّل جماعت کے ساتھ وابستہ رہ کر اپنی عملی زندگی کو اسلام کے سانچے میں ڈھالنا ہے اور پھر اسلام کو دوسری قوموں تک پہنچا کر اُن پہ حجّت پُوری کرنی ہے۔ اس کام کو باحسن وجوہ انجام دینے کے لئے حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے بطور حَکَم اعتقادی اختلافات کو دُور کر کے امن کی بنیاد قائم فرما دی ہے۔ آپ کو حَکَم بھی قرار دیا گیا ہے اور **امن کا شہزادہ** بھی۔ یہ دونوں مترادف الفاظ ہیں۔ اس لئے کہ حَکَمُ اختلاف دُور کرنے والے کو کہتے ہیں اور جو اختلاف دُور کرتا ہے وہی امن قائم کرنے والا ہوتا ہے۔ پس حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اعتقادی اختلاف کو دُور کر کے قیامِ امن کی راہ ہموار کر دی ہے اور دوسری طرف صداقتِ اسلام کے ایسے محکم دلائل ہمیں دیئے ہیں کہ جن کے آگے دوسرے مذاہب والے ٹھہر ہی نہیں سکتے۔ اب ہمارا فرض یہ ہے کہ ہم اپنی زندگیوں کو ایسا بنائیں کہ ہم سر سے پا تک اسلام کی عملی تصویر ہوں۔ ہم اسلام کا جُوا اپنی گردن پر بشاشت کے ساتھ اٹھائیں اور اپنی روزمرّہ کی زندگیوں میں زندہ خدا پر زندہ ایمان کا مظاہرہ کریں۔ اور اس طرح اپنی ہستی پہ پُورا پُورا انقلاب وارد کرنے کے بعد حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی الہامی تفسیرِ قرآن کی روشنی میں اسلام کا پیغام دوسروں تک پہنچائیں۔ اگر کوئی احمدی ایسا نہیں کرتا تو وہ اپنے فرائض میں کوتاہی کرنے والا ہے اور خدا تعالیٰ کے حضور جواب دِہ ہے۔

ہمیں جماعت کے کاموں میں ہمیشہ خدا تعالیٰ کی شان اور اس کی قدرت نظر آتی ہے اور دل عجیب کیف و سرور

سے بھر جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے قدم قدم پر جماعت کو اپنی خاص تائید و نصرت اور فضل و رحمت سے نوازا ہے۔ ہم عملاً مشاہدہ کرتے چلے آرہے ہیں کہ خدا تعالیٰ اس جماعت کے ساتھ ہے۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی کامل اتّباع اور پیروی کی برکت سے خدائی نصرت کو جذب کیا ہے اور جماعت کو اس سے مالا مال فرمایا ہے۔ جب خدا نے ہمیں اپنی خاص تائید و نصرت کا حامل بنایا ہے تو پھر ہمیں ڈر کس بات کا ہے۔ قدرت کے عناصر بھی خدا تعالیٰ نے ہمارے لئے مسخر کر دیئے ہیں۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے فرمایا ہے آگ سے ہمیں مت ڈراؤ آگ ہماری غلام بلکہ غلاموں کی غلام ہے۔ اسی طرح دوسرے عناصر کا حال ہے۔ ۱۹۴۷ء کے فسادات جب عروج پر تھے تو اُس وقت بھی خدا تعالیٰ کی اسی موعودہ تائید و نصرت کی وجہ سے ہمارے دل مطمئن تھے کہ وہ ضرور اس جماعت کی حفاظت کرے گا۔ پس جیسا کہ خدا تعالیٰ اپنے وعدہ کے مطابق ہمیشہ ہماری حفاظت کرتا رہا ہے ہمارا بھی فرض ہے کہ ہم اس کے دین کی خدمت کرنے میں اپنی طرف سے کوئی دقیقہ فروگذاشت نہ کریں۔ اس کے دین کو دنیا میں پھیلائیں اور پھیلاتے چلے جائیں یہاں تک کہ ساری دنیا محمّد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے جھنڈے تلے آجمع ہو اور اس طرح حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی بعثت کی غرض بہ تمام و کمال پوری ہو جائے۔

اُن کے اس بنیادی فرض کے ضمن میں مَیں انصار اللہ کو اُن کی ایک اہم ذمہ داری کی طرف بھی توجہ دلانا چاہتا ہوں اور وہ یہ ہے کہ وہ اپنے بچوں کی تربیت کی طرف خاص طور پر توجہ دیں اور انہیں دین کا خادم بنائیں۔ انصار اللہ میں سے اکثر صاحبِ اولاد ہیں۔ وہ اپنے بچوں سے بے غرض محبت کرتے ہیں اور اپنے بچوں سے بھی یہ توقع رکھتے ہیں کہ وہ بھی اُن سے محبت کریں اور اُن کے اطاعت گزار بنیں۔ اگر کسی کا بچہ آوارہ ہو جاتا ہے تو اس کے والدین کو بہت دُکھ ہوتا ہے لیکن ایک باپ اپنے بچے سے جتنی محبت کرتا ہے خدا اپنے بندہ سے اُس سے کہیں بڑھ کر محبت کرتا ہے۔ اگر اس کا کوئی بندہ اُس سے غافل ہو جائے تو اُسے یہ بات بہت شاق گزرتی ہے۔ پس ہمیں چاہیئے کہ ہم اپنے باپوں سے بڑھ کر خدا تعالیٰ سے محبت کریں اور اپنے بچوں کی بھی اس طرح تربیت کریں کہ وہ بھی خدا تعالیٰ کی محبت کو اپنے دل میں جگہ دیں اور اس کے حقیقی عبد بن کر اس کے دین کی خدمت کو لازم پکڑیں۔

اِسی طرح انصار اللہ کو چاہیئے کہ وہ اپنی دوسری ذمہ داریوں کو بھی پُوری مستعدی اور حسنِ کارکردگی کے ساتھ ادا کریں۔ انہیں اپنی تنظیم کو مضبوط کرنا چاہیئے اور اِسی طرح مالی ذمہ داریوں سے سبکدوش ہونے کی پوری کوشش کرنی چاہیئے نیز حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی کتب کے مطالعہ کی طرف خاص طور پر توجہ دینی چاہیئے۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے یہ سب کتب اللہ تعالیٰ کی خاص تائید اور نصرت کے ماتحت لکھی ہیں اور یہ حقائق و معارف سے اس طرح پُر ہیں جس طرح سمندر پانی سے بھرا ہوا ہے۔ آپ نے قرآن کریم

کے دریا کے زوردار بہاؤ کو اس خوبصورتی سے مختلف چینلز میں منتقل کیا ہے کہ ہر قوم اس سے فائدہ اُٹھا سکتی ہے اور اپنی روحانی پیاس بجھا کر اعلیٰ ترقیات حاصل کر سکتی ہے۔ مسیح موعود کے متعلق یہ بھی کہا گیا تھا کہ وہ خزانے تقسیم کرے گا لیکن لوگ ان خزانوں کو قبول نہیں کریں گے۔ اِن خزانوں سے مراد روحانی خزائن ہیں نہ کہ دنیوی اموال۔ ہمیں اِن روحانی خزائن سے خود بھی اپنی جھولیاں بھرنی چاہئیں اور دوسروں کو بھی یہ خزانے دینے چاہئیں تاکہ وہ بھی محروم نہ رہیں۔ اِن سے نہ صرف ہم مالا مال ہوں بلکہ وہ بھی مالا مال ہوں اور اُن کے بھی دامن استعداد پُر ہو جائیں۔

اللہ تعالیٰ ہمیں اپنی ذمہ داریوں کو سمجھنے اور انہیں کما حقّہٗ ادا کرنے کی توفیق عطا فرمائے اور جلد ایسے حالات رونما فرمائے کہ جو حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی بعثت کی غرض کو بہ تمام و کمال پُورا کرنے والے ہوں ۔

دینی کاموں کے لئے دن رات ایک کر دو

حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام فرماتے ہیں :-

"یہ وقت بھی، ایک قسم کے جہاد کا ہے۔ مَیں رات کے تین تین بجے تک جاگتا ہوں۔ اِس لئے ہر ایک کو چاہیئے کہ اِس (جہاد) میں حصّہ لے اور دینی ضرورتوں اور دینی کاموں میں دن رات ایک کر دے۔"

(ملفوظات جلد چہارم ص۱۹۶)

معاشرہ میں فساد پیدا کرنیوالی ایک خطرناک برائی

غیظ و غضب اور نفسانی جوش کی مضرت

(مکرم شیخ محبوب عالم صاحب خالد ایم۔ اے قائد عمومی مجلس مرکزیہ)

مومنوں کے اوصافِ حمیدہ کا ذکر کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ قرآنِ کریم میں ان کی ایک صفت یہ بھی بیان فرماتا ہے کہ :-

اَلْکَاظِمِیْنَ الْغَیْظَ وَالْعَافِیْنَ عَنِ النَّاسِ (آل عمران آیت ۱۳۴)

اللہ کے مومن بندے ضبطِ نفس سے کام لیتے ہوئے غیظ و غضب کو روک لیتے اور دوسروں کی غلطیوں کو معاف کر دیتے ہیں غیظ و غضب اور نفسانی جوش معاشرے کی بہت سی خرابیوں کا ذمہ دار ہے۔ لڑائی جھگڑا، فتنہ و فساد، حسد، بغض و عداوت اور بدنظمی اسی کا نتیجہ ہیں۔ اسلام امن اور سلامتی کا مذہب ہے۔ اس میں ان امور کو نہایت ناپسندیدگی کی نظر سے دیکھا جاتا ہے۔ اشتعال میں بعض اوقات ایک انسان سے ناواجب حرکات بھی سرزد ہو جاتی ہیں جو قبیح نتائج پیدا کر دیتی ہیں۔ اگر ایک انسان ہر بات پر ٹھنڈے دل سے غور کرے اور ہر بات کا پوری طرح جائزہ لینے کے بعد کوئی قدم اٹھائے تو کبھی فتنہ و فساد اور باہم لڑائی جھگڑے تک نوبت نہیں پہنچتی۔ اِس لئے اسلام میں اللہ تعالیٰ نے مومنوں کو یہی حکم دیا ہے کہ تم اپنے غصہ کو روکو اور بجائے اس کے کہ مشتعل ہو کر گردوپیش کے سکون کو برباد کر دو اور فتنہ و فساد کی آگ بھڑکا دو ٹھنڈے دل سے غور کر کے مناسب قدم اُٹھاؤ بلکہ دوسروں کی غلطیاں معاف کر دیا کرو تا انتقام کا خیال تک دل میں نہ آئے۔ اسلام کی یہ تعلیم ایسی اعلیٰ درجہ کی تعلیم ہے کہ یہ افراد اور اقوام کو باہمی رنجشوں سے بچاتی اور دنیا میں امن و امان قائم کرنے میں مدد دیتی ہے۔

(۲)

حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمان کی تعریف بیان کرتے ہوئے فرمایا :-

اَلْمُسْلِمُ مَنْ سَلِمَ الْمُسْلِمُوْنَ مِنْ لِسَانِہٖ وَیَدِہٖ

(بخاری شریف باب النہی عن الایذاء بحوالہ ریاض الصالحین جلد دوم صفحہ ۳۹)

مسلمان وہ ہے جس کی زبان اور جس کے ہاتھ سے دیگر مسلمان محفوظ رہیں۔ یعنی نہ تو وہ زبان سے کسی کو گالی دے

اور بُرا بھلا کہے اور نہ وہ ہاتھ سے کسی قسم کی تکلیف دے اور نہ نقصان پہنچائے۔
چنانچہ اسی کے پیشِ نظر حجۃ الوداع کے موقعہ پر حضرت رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمانوں کو وصیت کرتے ہوئے فرمایا:۔

اِنَّ دِمَاءَکُمْ وَاَمْوَالَکُمْ وَاَعْرَاضَکُمْ عَلَیْکُمْ حَرَامٌ کَحُرْمَةِ یَوْمِکُمْ هٰذَا فِیْ بَلَدِکُمْ هٰذَا فِیْ شَهْرِکُمْ هٰذَا وَسَتَلْقَوْنَ رَبَّکُمْ فَیَسْأَلُکُمْ عَنْ اَعْمَالِکُمْ اَلَا فَلَا تَرْجِعُوْا بَعْدِیْ کُفَّارًا یَضْرِبُ بَعْضُکُمْ رِقَابَ بَعْضٍ اَلَا لِیُبَلِّغَ الشَّاهِدُ الْغَائِبَ۔ (بخاری جلد ثانی صفحہ ۱۳۲ باب حجّۃ الوداع)

تمہارے خون، تمہارے اموال اور تمہاری عزتیں تم پر حرام ہیں اسی طرح جیسے آج کا دن حرام ہے تمہارے اس شہر اور تمہارے اس مہینہ میں (یعنی جیسے حج کے دن شہر مکہ میں اور اس مہینہ میں بالخصوص قتل و غارت اور جنگ حرام ہے اسی طرح دوسروں کی عزت لینا، بے جا طور پر ان کے اموال کھانا اور انہیں قتل کرنا تم پر حرام ہے۔ پس اپنے بھائیوں کی جانوں کی حفاظت کرو، ان کے اموال کی حفاظت کرو اور ان کی عزتوں کو بچاؤ) عنقریب تم اپنے رب سے ملو گے وہ تم سے تمہارے اعمال کے بارے میں پوچھے گا۔ خبردار! یہ نہ ہو کہ میرے بعد کافر ہو جاؤ کہ ایک دوسرے کی گردن کاٹنے لگو۔ اور سنو! وہ لوگ جو یہاں حاضر ہیں میری یہ وصیت اُن لوگوں تک پہنچا دیں جو یہاں موجود نہیں "

اس حدیث میں حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمانوں کو ایک دوسرے پر ظلم اور تعدّی، دوسروں کی جان پر حملہ کرنے، دوسروں کی عزت پر حملہ کرنے اور دوسروں کا مال چھیننے سے سختی سے منع فرمایا ہے۔ یہی باتیں ہیں جن کا ایک انسان غیظ و غضب اور جوش اور اشتعال کی حالت میں مرتکب ہوتا ہے۔ غصہ کی حالت میں کبھی تو وہ کسی کے لئے جان لیوا ثابت ہوتا ہے، کبھی کسی کو ذلیل کرتا ہے اور کبھی کسی کا مال چھین لیتا ہے۔ حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اِن سب امور سے منع فرمایا ہے۔ پھر تاکیداً یہ بھی فرمایا ہے کہ یہ بات اتنی اہم ہے کہ تم میں سے ہر ایک کا فرض ہے کہ دوسروں تک وہ یہ بات پہنچاتا چلا جائے۔

ایک دوسرے موقعہ پر باہم لڑنے جھگڑنے اور فتنہ و فساد بپا کرنے پر ناپسندیدگی کا اظہار فرماتے ہوئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:۔

سِبَابُ الْمُسْلِمِ فُسُوْقٌ وَقِتَالُهٗ کُفْرٌ۔

(بخاری ۔ باب تحریم سبّ المسلم بغیر حق)

فرمایا مسلمان کو گالی دینا فاسق کا کام ہے اور اس سے لڑنا کافر کا۔ کیونکہ اِن باتوں کے نتیجہ میں ایک انسان بعض اوقات ایسی حرکات کا مرتکب ہو جاتا ہے جن سے اس کا ایمان جاتا رہتا ہے۔

نیز حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا :۔

اِنَّ اَبْغَضَ الرِّجَالِ اِلَی اللّٰہِ اَلْاَ لَدُّ الْخِصَامُ۔

(بخاری جلد اوّل صفحہ ۳۳۲)

اللہ تعالیٰ کے نزدیک وہ شخص سب سے زیادہ ناپسندیدہ اور مبغوض ہے جو ضدی اور جھگڑالو ہو"

پس ہمیں ہمیشہ اپنے نفس پر قابو رکھنا چاہیئے تاکہ غصہ کے وقت بے قابو نہ ہو جائیں۔ ہر بات پر ٹھنڈے دل سے غور کر کے اور سوچ سمجھ کر قدم اُٹھانا چاہیئے۔ بلکہ ایسے مواقع پر جبکہ ہمارے جذبات مجروح ہو چکے ہوں کوشش یہی ہونی چاہیئے کہ دوسروں کے قصور معاف کر دیں اور اُن کی پردہ پوشی کریں تاکہ ہم امن و امان کو برباد کرنے والے اور باہمی الفت و محبت کے رشتے کو توڑنے والے نہ ہوں۔

(۳)

حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے بھی اِن امور پر بہت زیادہ زور دیا ہے اور احباب جماعت کو پُر زور تلقین فرمائی ہے کہ باہم ایک دوسرے سے محبت اور پیار سے پیش آئیں اور ان پر سختی نہ کریں۔ چنانچہ حضور علیہ السلام فرماتے ہیں :۔

ا۔ "آپس میں اخوت اور محبت کرو۔ درندگی اور اختلاف چھوڑ دو۔" (ملفوظات جلد اوّل)

ب۔ "ہر ایک آپس کے جھگڑے اور جوش اور عداوت کو درمیان میں سے اُٹھا دو۔"

(ملفوظات جلد ۲ صفحہ ۲۵۹)

ج۔ "فتنہ کی کوئی بات نہ کرو۔ شر نہ پھیلاؤ۔ گالی پر صبر کرو۔ کسی کا مقابلہ نہ کرو۔ جو مقابلہ کرے اُس سے بھی سلوک اور نیکی کے ساتھ پیش آؤ۔" (ازالہ اوہام)

اور پھر حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے تتبع میں اِس بارے میں حضور علیہ السلام بھی اپنی جماعت کو وصیت کرتے ہوئے تاکیداً فرماتے ہیں :۔

"میری تمام جماعت جو اس جگہ حاضر ہیں یا اپنے مقامات پر بود و باش رکھتے ہیں اِس وصیت کو توجہ سے سُنیں کہ وہ جو اِس سلسلہ میں داخل ہو کر میرے ساتھ تعلق ارادت اور مریدی کا رکھتے ہیں اس سے غرض یہ ہے کہ تا وہ نیک چلنی اور نیک بختی اور تقویٰ کے اعلیٰ درجہ تک پہنچ جائیں اور کوئی فساد

اور شرارت اور بد چلنی ان کے نزدیک نہ آسکے ۔ ...... وہ کسی کو زبان سے ایذا نہ دیں ۔ ....
...... اور کسی شرارت اور ظلم اور فساد اور فتنہ کا خیال بھی دل میں نہ لاویں ۔"
(اپنی جماعت کو متنبہ کرنے کے لئے ایک ضروری اشتہار ۲۹ مئی ۱۸۹۸ء)

اور غیظ و غضب اور نفسانی جوش کا ذکر کرتے ہوئے حضور علیہ السلام فرماتے ہیں :-

ا :- "یاد رکھو عقل اور جوش میں خطرناک دشمنی ہے ۔ جب جوش اور غصہ آتا ہے تو عقل قائم نہیں رہ سکتی ۔"
(ملفوظات جلد دوم صفحہ ۱۸۸)

ب :- "عُجب و پندار غضب سے پیدا ہوتا ہے اور ایسا ہی کبھی خود غضب عُجب و پندار کا نتیجہ ہوتا ہے ۔" (ملفوظات جلد اول صفحہ ۳۶)

اللہ تعالیٰ ہمیں اِن زرّین نصائح پر پوری طرح عمل پیرا ہونے کی توفیق دے ۔ آمین +

نہایت درجہ کی جوانمردی

حضرت مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں :-

"کوئی سچا مومن نہیں ہو سکتا جب تک اُس کا دل نرم نہ ہو، جب تک وہ اپنے تئیں ہر ایک سے ذلیل تر نہ سمجھے اور ساری مشیختیں دُور نہ ہو جائیں ۔ خادم القوم ہونا مخدوم بننے کی نشانی ہے ۔ اور غریبوں سے نرم ہو کر جھک کر بات کرنا مقبولِ الٰہی ہونے کی علامت ہے ۔ اور بدی کا نیکی کے ساتھ جواب دینا سعادت کے آثار ہیں اور غصہ کو کھا لینا اور تلخ بات کو پی جانا نہایت درجہ کی جوانمردی ہے ۔"

(شہادۃ القرآن)

تلاوتِ قرآن کریم

(مکرّم پروفیسر بشارت الرحمٰن صاحب ایم۔ اے)

(۱)

قرآن کریم اللہ تعالیٰ کی عظیم الشان نعمت ہے جو اُس نے ہمیں عطا کی ہے۔ یہ نعمت بھی ایک عجیب ہی نعمت ہے جو بیماروں کے لئے اگر شفاء ہے تو تندرستوں کے لئے غذا۔ جو بیمار اس شفاء سے غافل رہے گا اس کا انجام موت ہے اور جو تندرست اس غذا کا اہتمام ہمیشہ جاری نہیں رکھے گا وہ کمزور ہوتا جائے گا یہاں تک کہ وہ بھی حوادثِ روحانیہ کا شکار ہو جائے گا۔ پس دین و دنیا کی فلاح اسی امر میں مضمر ہے کہ ہم جس طرح روزانہ اپنی جسمانی غذا کا اہتمام کرتے ہیں اس سے بھی بڑھ کر اس روحانی غذا سے روزانہ استفادہ کریں اور اس پر مداومت اختیار کریں۔ اللہ تعالیٰ قرآن کریم میں فرماتا ہے :-

اَلَّذِیْنَ اٰتَیْنٰھُمُ الْکِتٰبَ یَتْلُوْنَہٗ حَقَّ تِلَاوَتِہٖ۔ اُولٰٓئِکَ یُؤْمِنُوْنَ بِہٖ وَمَنْ یَّکْفُرْ بِہٖ فَاُولٰٓئِکَ ھُمُ الْخٰسِرُوْنَ ۝ (البقرہ ع ۱۴)

ترجمہ۔ وہ لوگ جنہیں ہم نے اس کامل کتاب کی نعمت دی ہے وہ اس کی تلاوت و پیروی اسی طرح کرتے ہیں جس طرح اسکی تلاوت و پیروی کرنے کا حق ہے۔ وہی لوگ اس پر (پختہ) ایمان رکھتے ہیں اور جو لوگ اس کا انکار کریں گے وہی نقصان اٹھانے والے ہیں۔

اسی طرح ایک اور مقام پر فرماتا ہے :-

اِنَّ الَّذِیْنَ یَتْلُوْنَ کِتٰبَ اللّٰہِ وَاَقَامُوا الصَّلٰوۃَ وَاَنْفَقُوْا مِمَّا رَزَقْنٰھُمْ سِرًّا وَّعَلَانِیَۃً یَّرْجُوْنَ تِجَارَۃً لَّنْ تَبُوْرَ ۝ (فاطر ع ۴)

ترجمہ۔ وہ لوگ جو اللہ تعالیٰ کی کتاب کو پڑھتے ہیں اور نماز کو قائم کرتے ہیں اور جو کچھ ہم نے انکو دیا ہے اسمیں سے خفیہ بھی اور ظاہراً بھی خرچ کرتے ہیں وہی درحقیقت ایسی تجارت کی جستجو میں لگے ہوئے ہیں جو کبھی تباہ نہ ہوگی

اس مختصر سے مضمون میں تلاوتِ قرآن مجید کے سلسلہ میں بعض ضروری امور ہدیۂ قارئین کئے جاتے ہیں تاکہ ہم اللہ تعالیٰ کی اس عظیم الشان نعمت سے کماحقہ مستفید ہو سکیں۔ قرآن مجید کی تلاوتِ ناظرہ بھی جاذبِ برکات ہے لیکن نزولِ قرآن مجید کا حقیقی مقصد یہ ہے کہ ہم خدا تعالیٰ کے اس کلام کو سمجھیں اور اس پر غور و فکر کریں اور پھر اس پر عمل کریں۔ یہی وہ طریق ہے جس سے دلوں کے قفل جو اُن دلوں کی شامتِ اعمال سے ہی اُن پر لگ جاتے ہیں کھلتے چلے جاتے ہیں اور پھر وہ دل اللہ تعالیٰ کی رحمتیں اور

افضال کے مورد ہو جاتے ہیں۔ کفار کے متعلق اللہ تعالیٰ قرآن کریم میں فرماتا ہے:۔

اَفَلَا یَتَدَبَّرُوْنَ الْقُرْاٰنَ اَمْ عَلٰی قُلُوْبٍ اَقْفَالُھَا۔ (سورۃ محمدؐ)

ترجمہ: کیا یہ لوگ قرآن پر غور وفکر نہیں کرتے یا انکے دلوں پر اُن دلوں کی طرف سے پیدا شدہ تالے لگے ہوئے ہیں۔ جن کی وجہ سے رُشد وہدایت اُن کے اندر داخل نہیں ہوسکتی؟

(۲)

جیسا کہ اُوپر ذکر ہوا ہے قرآن کریم کی ظاہری تلاوت بھی بے شمار برکات کی حامل ہے۔ ہر مسلمان کا فرض ہے کہ قرآن کریم صحت و درستی کے ساتھ پڑھے، خوش الحانی سے پڑھے، ٹھہر ٹھہر کر پڑھے، سوز و گداز کی کیفیت سے پڑھے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف یہ قول منسوب ہے کہ آپ نے فرمایا لَیْسَ مِنَّا مَنْ لَمْ یَتَغَنَّ بِالْقُرْاٰنِ یعنی جو قرآن کریم کو خوش الحانی سے نہیں پڑھتا وہ ہم میں سے نہیں۔ ہم میں سے ہر ایک کا فرض ہے کہ قرآن کریم کی تلاوت خوش الحانی سے کرے۔ خود قرآن کریم کا حکم ہے کہ وَرَتِّلِ الْقُرْاٰنَ تَرْتِیْلًا (سورۃ المزمل) کہ تو قرآن کریم کو ٹھہر ٹھہر کر عمدگی سے پڑھ۔

قرآن کریم کی تلاوتِ ناظرہ میں سب سے بڑھ کر ضروری امر یہ ہے کہ ہم کلمات اور الفاظ کو درستی و صحت سے پڑھیں بعض اوقات یہ دیکھا جاتا ہے کہ ایک پڑھنے والا خوش الحان تو ہوتا ہے مگر تلفظ کی بعض فاش غلطیاں تلاوت کے دوران میں اس سے سرزد ہوتی ہیں جن کی وجہ سے اہلِ ذوق و اہلِ علم پر بہت بُرا اثر پڑتا ہے۔ پیشتر اس کے کہ تلفظ کی بعض موٹی موٹی غلطیوں کی مثال پیش کی جائے یہ بیان کرنا ضروری ہے کہ تلاوتِ قرآن کریم میں حتی الوسع صحتِ مخارج کا خیال رکھنا بھی ضروری ہے لیکن اِس کا حد سے بڑھ کر اہتمام کرنا ایسے طور پر کہ تکلف اور بناوٹ کا رنگ پیدا ہو جائے اچھا نہیں لگتا۔ تکلف ہر چیز میں ہی چنداں پسندیدہ نہیں سمجھا جاتا۔ تلاوتِ قرآن کریم بھی انسان کی طبعی آواز اور طبعی لب ولہجے میں ہونی چاہیئے۔ اللہ تعالیٰ قرآن کریم میں فرماتا ہے کہ:۔

قُلْ مَآ اَسْـَٔلُكُمْ عَلَيْهِ مِنْ اَجْرٍ وَّمَآ اَنَا مِنَ الْمُتَكَلِّفِيْنَ ۝ (ص ع ۵)

ترجمہ: (اے رسول) تو کہہ دے کہ میں اِس (تبلیغ) پر تم سے کوئی اجر نہیں مانگتا اور نہ میں ہی تکلف سے بات کرنے کا عادی ہوں۔

پس قرآن کریم کی تلاوت میں بھی خوش الحانی وہی عمدہ ہے جس میں تکلف اور بناوٹ نہ ہو۔

عام موٹی غلطیاں جو اکثر قاری تلاوت میں کر جاتے ہیں وہ حرکات کو لمبا اور چھوٹا کرنے سے متعلق ہیں۔ ایک امر یہ یاد رکھنا چاہیئے کہ عربی زبان میں طبعی حالت یہ ہے کہ کلام تیزی سے دہرایا جاتا ہے، جملوں کے آخری حصے پر لمبا وقف کیا جاتا ہے۔ مثلاً یہی فقرہ لے لیں۔ اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ غلط طریق یہ ہوگا کہ اَلْحَمْدُ کو اَلْحَامْدُ پڑھا جائے۔ اَلْعٰلَمِیْنَ کو اَلْعَالَا۔مِین پڑھیں۔ صحیح طریق یہ ہے کہ فقرہ تیزی سے پڑھ جائیں اور آخر میں لمبا وقف

کریں یعنی مِسِیْن کو ذرا لمبا کر دیں۔ حرکات کی عام غلطیوں کے سلسلہ میں مندرجہ ذیل امور خاص طور پر قابلِ توجہ ہیں :-

۱۔ اکثر زبر کی آواز کو لمبا کر کے الف بنا دیا جاتا ہے یا الف کو چھوٹا کر کے زبر بنا دیا جاتا ہے۔

۲۔ اسی طرح الف کی آواز کو خواہ مخواہ لمبا کیا جائے اور بطور مدّ کے پڑھا جائے یا الف کی مدّ والی آواز کو صرف معمولی غیر ممدودہ الف کے طور پر پڑھا جائے۔

۳۔ یاد رکھنا چاہیئے کہ مدّ یعنی آواز کو لمبا کرنا صرف الف سے ہی متعلق نہیں ہے بلکہ الف کے علاوہ واوٗ ماقبل مضموم (ـُـوْ) یعنی اُوْ کی آواز کے بعد بھی مدّ کیا جاسکتا ہے۔ اسی طرح ی ماقبل مکسور (ـِـیْ) یعنی اِیْ کی آواز کے بعد بھی مدّ ہوتا ہے۔

۴۔ مدّ (یعنی اُوْ۔ اِیْ اور الف کی آوازوں کو لمبا کرنا) مندرجہ ذیل مقامات پر ہوتا ہے۔ ظاہری علامات کے طور پر "ـــٓ" کی علامت حرفِ ممدود کے اُوپر ڈالی جاتی ہے۔

ا۔ جب اُوْ۔ اِیْ یا الف کے بعد ہمزہ (ء) آجائے تو یہ آوازیں بہرحال مدّ سے ادا کی جائیں گی جیسے قرآن کریم میں آتا ہے :-

(i) لَا تَسْـَٔلُوْٓا عَنْ اَشْيَآءَ

(ii) اِذَا جَآءَ نَصْرُ اللّٰهِ وَالْفَتْحُ

(iii) لِیَغْفِرْ لِیْ خَطِیْٓـٔـَتِیْ یَوْمَ الدِّیْنِ

(iv) قَالُوْٓا اِنَّا تَطَیَّرْنَا بِکُمْ

آپ شروع سے لے کر آخر تک قرآن کریم کو پڑھ جائیں ہر جگہ آپ دیکھیں گے کہ اسی اصول کی پیروی کی گئی ہے اس لئے قرأت کرنے والوں کو خاص طور پر اس اصول کو نوٹ کر لینا چاہیئے۔

ب ـــــــ جب الف کے بعد شدّ (ــّــ) آجائے تو پھر بھی یہ آوازیں مدّ سے پڑھی جاتی ہیں۔ قرآن کریم میں اس کی مثالیں یہ ہیں :-

(i) وَمَا هُمْ بِضَآرِّيْنَ۔

(ii) وَلَا تَحٰٓضُّوْنَ عَلٰى طَعَامِ الْمِسْكِيْنِ۔

قارئینِ قرآن کریم کو تلاوت کے وقت اس اصول کا بھی خاص طور پر خیال رکھنا واجب ہے۔

ج۔ جہاں آیت کے آخر میں ہم نے وقف کرنا ہو اور آخر میں "واوٗ" "ی" یا الف کی آواز ہو تو وقف کی وجہ سے ان آوازوں کو لمبا کر دیا جاتا ہے جیسے :-

(i) اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ .... رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ میں مِیْن کو وقف کرنے کی صورت میں لمبا کر کے پڑھا جائیگا۔

(ii) اس کے بعد الرّحمٰن پر اگر توقف نہیں کرنا تو "مَا" کو لمبا نہیں کیا جائے گا۔ اگر الرّحمٰن کے بعد وقف کرنا ہو تو "ما" کو لمبا کیا جائیگا۔ مثلاً الرّحمٰن

(iii) اسی طرح الرّحیم میں ہے۔ وقف کرنے کی صورت میں رحیْ کو لمبا کیا جائے گا۔ اکثر قارئین اپنی قرائتوں اور تلاوتوں میں اس اصول کو مدنظر نہیں رکھتے اور غلطی کر جاتے ہیں۔

۵۔ تلاوتِ قرآن کریم میں ایک اور غلطی بھی کی جاتی ہے۔ مثال کے طور پر اِهْدِنَا الصِّرَاطَ میں "اِهْدِنَا" کو الف کی آواز کے ساتھ پڑھا جاتا ہے اور پھر ص مشدد سے ملایا جاتا ہے۔ حالانکہ اس صورت میں نَ کو فوراً صَّ سے نَصِّرَاطَ کے موافق ملا دینا چاہیئے۔

۶۔ مِنْ رَبِّہٖ میں م کو "رَّ" سے بغیر "ن" کی آواز نکالے ملانا چاہیئے لیکن اکثر پڑھنے والے "م" کو "ر" سے ملانے کے درمیان "ن" کی آواز بھی نکالتے ہیں جو صریح غلطی ہے۔ اسی طرح مِنْ مَّا میں بھی "ن" کی آواز نکالنا معیوب ہے۔ ن کو م سے فوراً ملا دینا چاہیئے اور مِمَّا کی طرح پڑھنا چاہیئے۔

۷۔ ت اور ط۔ س اور ص۔ ز اور ض حروف کی ادائیگی میں تھوڑا سا فرق ہے۔ ط، ص اور ض میں مُنہ کو تھوڑا سا گول کر کے آواز نکالنی چاہیئے مگر بغیر تکلّف کے اور بغیر اس بات کے کہ ظاہراً بھی مُنہ یا چہرے میں فرق ڈالا جائے۔

۸۔ اسی طرح مخارج کے لحاظ سے ح اور ہ، ک اور ق، ع اور ہمزہ (ء) میں بھی فرق کرنا لازم ہے۔ مگر ان تمام امور میں کوشش تکلّف کے بغیر ہونی چاہیئے۔ آجکل کے بعض قُرّاء اس بارہ میں ظاہر و باہر تکلّف سے کام لیتے ہیں اور یہ امر آیتِ قرآنی ...... وَمَا اَنَا مِنَ الْمُتَكَلِّفِيْنَ کی رُوح کے صریح طور پر خلاف ہے۔

۹۔ ض کی آواز کے متعلق بہت اختلاف پایا جاتا ہے۔ بعض اسے "ز" کے طور پر پڑھتے ہیں اور بعض بالکل ہی "د" بنا دیتے ہیں۔ ض کا تلفّظ نہ "ز" ہے نہ "د" ہے بلکہ دونوں کے درمیان درمیان ہے۔ عربوں کا دعویٰ ہے کہ ض کو صحیح طور پر صرف ہم ہی ادا کر سکتے ہیں اور وہ اپنے آپ کو "النّاطقین بالضّاد" کا لقب دیتے ہیں۔ یعنی "ض" کو صحیح طور پر ادا کرنے والے۔

خلاصہ کلام یہ ہے کہ ہر شخص کو قرآنی الفاظ کو تلاوت کے وقت صحیح مخارج کے ساتھ ادا کرنے کی کوشش کرنی چاہیئے مگر اس میں تکلّف نہیں ہونا چاہیئے۔ اگر کوئی شخص کسی خاص رنگ میں ادا نہیں کر سکتا تو کوئی حرج نہیں۔ ہاں زبر کو الف بنانا، الف کو الف ممدودہ بنانا یا الف ممدودہ کو صرف الف پڑھنا یا الف کی جگہ صرف زبر کی آواز پڑھنا بہرحال ایسی غلطیاں ہیں جن سے بہرصورت اجتناب واجب ہے۔ ان کی

تفصیل اُوپر آچکی ہے۔ بخاری شریف میں ذکر آتا ہے کہ ایک صحابی مسجد میں قرآن کریم کی تلاوت کر رہے تھے، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے دیکھا کہ وہ صحابی قرآن کریم کی اِس رنگ میں تلاوت نہیں کر رہے جس طور پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عمرؓ کو سکھلائی تھی۔ حضرت عمرؓ نے اس وقت یہی سمجھا کہ یہ صحابی قرآن کریم کی غلط تلاوت کر رہے ہیں۔ آپ کو بہت غصہ آیا اور آپ نے اُس صحابی کے گلے میں پٹکا ڈالا اور انہیں پکڑ کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں لے گئے اور شکایت کی کہ یا رسول اللہ یہ شخص قرآن کریم کی غلط تلاوت کر رہا تھا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اُنہیں دیکھ کر فرمایا کہ پہلے اِنہیں چھوڑ دو۔ پھر آپ نے اُس صحابی کو ارشاد فرمایا کہ وہ قرآن کریم کا وہ مقام سُنائیں۔ جب وہ صحابی تلاوت کر چکے تو آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا " هٰكَذَا أُنزِلَتْ" کہ یہ آیت اِسی طرح سے نازل ہوئی ہے۔ اب حضرت عمرؓ کو فکر پیدا ہوا کہ شاید پھر مَیں نے غلط یاد کیا ہوا ہے۔ اب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عمرؓ کو ارشاد فرمایا کہ وہ تلاوت کریں۔ حضرت عمرؓ نے اُس رنگ میں تلاوت کی جس طرح آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عمرؓ کو سکھلائی تھی۔ اِس پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ " هٰكَذَا أُنزِلَتْ" کہ یہ آیت اِسی طرح اُتری ہے۔ پھر حضور علیہ السلام نے مزید ارشاد فرمایا کہ:-

أُنْزِلَ الْقُرْآنُ عَلٰى سَبْعَةِ أَحْرُفٍ

کہ قرآن سات حرفوں پر اُترا ہے جس رنگ میں تمہیں میسّر ہو پڑھ لیا کرو۔ اِس حدیث سے مختلف قراءاتِ قرآنی کا استدلال کیا جاتا ہے مگر بعض علماء اور بزرگان کا خیال ہے کہ سات حرفوں سے صرف حروف والفاظ کے الحان اور لہجوں کے فرق ہی مراد ہیں۔ بہرحال آخری نتیجہ یہی نکلتا ہے کہ الفاظِ قرآنی کو صحیح مخارج سے ادا کرنا چاہیئے مگر ایسے رنگ میں نہیں کہ تصنع اور بناوٹ معلوم ہو۔ اور جہاں قومی وملکی اثرات کی وجہ سے کوئی شخص کسی حرف کو اصل مخرج کے لحاظ سے ادا نہ کر سکے اور معذور ہو تو اُسے جس رنگ میں آسانی ہو اُس کی ادائیگی کرنی چاہیئے۔ اسی لئے اللہ تعالیٰ نے اپنے قرآن کو سات حرفوں پر اُتارا ہے کہ کسی شخص کے لئے تکلیف مالا یطاق نہ ہو۔ اگر کوئی شخص ع کی آواز نکال ہی نہیں سکتا تو اُس کے لئے جائز ہے کہ وہ ہمزہ کی آواز سے ہی اُسے ادا کرلے۔

حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا ہے کہ قرآن کریم کو سوز وغم کی آواز میں پڑھنا چاہیئے کیونکہ قرآن غم کی حالت میں اُتارا گیا ہے۔ گویا تلاوت میں ایک روحانی سوز پایا جانا چاہیئے جو پڑھنے والے کے دل پر بھی اور سُننے والوں کے دل پر بھی ایک روحانی سوز وگداز کی کیفیت پیدا کر دے اور روح گداز ہو کر بے اختیار اپنے مولیٰ کریم کی طرف بہنا شروع کر دے +　　(باقی)

رُکتی ہوئی سانسوں کو رواں کرکے رہیں گے

(مکرم عبد المنان صاحب ناہید)

کچھ اور فزوں سوزِ نہاں کر کے رہیں گے
حال اپنا ہم آج اُن سے بیاں کر کے رہیں گے

بھٹکے ہوئے راہی کو غلط راہ سے لا کر
ہمراہِ مسیحائے زماں کر کے رہیں گے

ہر دل کو جو غمناک ہے احساسِ زیاں سے
بیگانۂ احساسِ زیاں کر کے رہیں گے

اعجازِ مسیحائی دکھائیں گے جہاں کو
رُکتی ہوئی سانسوں کو رواں کر کے رہیں گے

جس آنکھ سے ٹپکا نہ کبھی اشکِ ندامت
اُس آنکھ کو خونابہ فشاں کر کے رہیں گے

اس دَور کی راتیں ہیں تہی آہ و فغاں سے
پھر عام رہ و رسم فغاں کر کے رہیں گے

ناہیدؔ غمِ عشق کہاں دل میں چھپائیں
یہ نالے تو رُسوائے جہاں کر کے رہیں گے

مغرب میں عیسائیت کی جڑیں کھوکھلی ہو چکی ہیں

نامی گرامی عیسائی پادریوں کی طرف سے عیسائی عقائد پر کڑی تنقید

گزشتہ شمارہ میں ہم نے کلیسائے انگلستان کے مشہور و معروف پادری ڈاکٹر جان رابنسن دی بشپ آف وُول وِچ کی تہلکہ انگیز کتاب "Honest to God" یعنی "خدا کے متعلق دیانتدارانہ اندازِ تصوّر" کا ذکر کیا تھا اور لکھا تھا کہ اس کتاب کی اشاعت سے دنیائے عیسائیت میں ایک زلزلہ سا آیا ہوا ہے اور وہ اخبارات و رسائل میں عام بحث و تمحیص کا موضوع بنی ہوئی ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ ڈاکٹر رابنسن نے بشپ کے نہایت ممتاز مذہبی عہدہ پر فائز ہونے کے باوجود کمال درجہ جرأت سے کام لیتے ہوئے صاف لکھا ہے کہ مروّجہ عیسائیت کی بنیاد بعض مخصوص مذہبی اصطلاحات پر ہے جو خدا تعالیٰ کی ذات سے متعلق جسمانی وجود کے ایک طفلانہ اور ناقابلِ فہم تصوّر سے عبارت ہیں۔ یہ اصطلاحات آج سے دو ہزار سال قبل ایک سراسر غیر سائنسی دَور میں اُس وقت وضع کی گئی تھیں جب انسان دورِ طفولیت میں سے گزر رہا تھا اور کائنات کا ایک سرتا پا غلط تصوّر اُس کے ذہن میں جاگزیں تھا۔ بعد ازاں اِن اصطلاحات کو عجیب و غریب معانی و مفہوم کا حامل قرار دے کر مسیح کو خدا قرار دیدیا گیا اور اسے مُردوں میں سے زندہ کرنے اور جسمِ انسانی کے ساتھ آسمان پر پہنچانے کے بعد خدا کے داہنے ہاتھ بٹھا دیا گیا گویا آسمان جیسی اور جامد زمین کے اوپر کوئی مادی اور مجسّم خطہ ہے اور خدا بھی کوئی مجسّم وجود ہے جو آسمان نامی خطّہ میں مجسّم اور محدود تخت پر بیٹھا وہیں سے اپنی خدائی زمین پر چلا رہا ہے۔ اُنہوں نے لکھا ہے کہ مسیح کو ابن اللہ قرار دے کر آسمان پر لے جانے کا یہ سارا تصوّر اس قدر بعید از قیاس، انوکھا اور مضحکہ خیز ہے کہ خلائی پرواز کے موجودہ دَور میں جبکہ انسانیت دورِ طفولیت سے گزر کر سنِ بلوغ کو پہنچ چکی ہے کوئی بھی باشعور اور سمجھدار انسان اسے قبول نہیں کر سکتا۔ یہی وجہ ہے کہ اس زمانہ میں عیسائیت یکسر بے اثر ہو کر تسخیرِ قلوب کی اہلیت کھو چکی ہے اور پڑھے لکھے باشعور انسان اس سے دن بدن بیزار ہوتے جا رہے ہیں۔

ڈاکٹر جان رابنسن کا کہنا یہ ہے کہ مسیح کا ابن اللہ کی حیثیت سے انسانیت کے موروثی گناہ کے کفّارہ کے طور پر صلیب پہ مرنا، پھر مر کر جی اٹھنا، اور پھر جسمِ انسانی کے ساتھ آسمان پر صعود کر کے خدا کے داہنے ہاتھ جا براجمان ہونا، یہ سب قدیم رومن اور یونانی علم الاصنام (Mythology) کے

نتیجہ میں خود تراشیدہ عیسائی علم الاصنام کی مختلف کڑیاں ہیں جن کا حقیقت سے دُور کا بھی واسطہ نہیں۔ اب وقت آگیا ہے کہ موجودہ خلائی دَور میں جبکہ کائنات اور نظامِ کائنات کے متعلق ثابت شدہ جدید سائنسی نظریات نے ان سب توہمات کو باطل کر کے رکھ دیا ہے ہم علم الاصنام کے تحت تراشے ہوئے فسانے کی اِن مختلف کڑیوں کو حقیقت پر محمول کرنا ترک کر دیں بلکہ انہیں استعارہ اور مجاز پر محمول کر کے عیسائیت کے ایک ایسے معقول اور سائنسی تصوّر کو اپنائیں جو اِس قسم کے لایعنی مذہبی تصوّر سے یکسر مبرّا ہو۔ چونکہ ڈاکٹر رابنسن عیسائیت کے قدیم اعتقادی ورثہ کے زیر اثر علم الاصنام یا میتھالوجی کو مذہب کا لازمی جزو تصوّر کرتے ہیں اِس لئے اُنہوں نے عیسائیت کے نئے سائنسی تصوّر کو "لامذہب عیسائیت" (Religionless Christianity) سے تعبیر کیا ہے اور صحیح خطوط پر چلتے چلتے بالآخر ایک حد تک دہریت کی طرف بہہ گئے ہیں۔ اِس میں وہ اِسلئے بے قصور ہیں کہ مغرب کی مادی تہذیب کے زیرِ اثر موجودہ سائنسی دَور میں مروّجہ عیسائیت کے سراسر غیر معقول عقائد کے ناگزیر ردِّعمل کے طور پر ان کا بالآخر دہریت کی طرف جھک جانا ایک قدرتی امر ہے۔

ڈاکٹر جان رابنسن کلیسیائے انگلستان کے وہ پہلے بشپ نہیں ہیں جنہوں نے بشپ کے نہایت مُمتاز مذہبی عہدہ پر فائز ہونے کے باوجود مروّجہ عیسائی عقائد کے خلاف آواز بلند کی ہے اور ان کی نامعقولیت کو دنیا پر آشکار کیا ہے۔ اس سے قبل موجودہ صدی کے اوائل میں برطانیہ کے ایک اور نامی گرامی بشپ ارنسٹ ولیم بارنز ERNEST WILLIAM BARNES نے جو برمنگھم کے بشپ تھے اور جن کے علم و فضل کا ملک بھر میں بہت شہرہ تھا اور جنہیں کیمبرج، اڈنبرا اور گلاسگو کی برطانوی یونیورسٹیوں نے ڈی۔ ایس سی، ڈی۔ ڈی، اور ایل ایل۔ ڈی کی اعزازی ڈگریاں پیش کی تھیں، اور جو رائل سوسائٹی کے فیلو بھی تھے، اِن عقائد کی نامعقولیت پر بھرپور وار کیا تھا اور دنیائے عیسائیت کو خبردار کیا تھا کہ وہ الوہیتِ مسیح اور کفارہ وغیرہ کے متعلق اپنے سابقہ نظریات میں تبدیلی کر کے ان کی ایک ایسی معقول توجیہہ کو اپنائے جو موجودہ سائنسی دَور میں قابلِ قبول ہو۔ چنانچہ اُنہوں نے بہت دلیری اور جرأت سے کام لیتے ہوئے اپنے لیکچروں میں صاف اِس امر کا اعلان کیا تھا کہ بائبل جس میں عہد نامہ جدید بھی شامل ہے ہرگز خدا تعالیٰ کا الہام اور اس کا کلام نہیں ہے ورنہ اِس میں خلافِ عقل اور متضاد باتیں نہ ہوتیں۔ اِسی طرح وہ مسیح کی الوہیت کے بایں معنی قائل نہ تھے کہ وہ خدا ہے یا خدا کی خدائی میں شریک ہے وہ مسیح کو صحیح معنوں میں ایک انسان تصوّر کرتے تھے اور کہتے تھے کہ الوہیتِ مسیح کا اِس سے زیادہ اور کوئی مفہوم نہیں ہے کہ وہ تعلق باللہ میں انتہائی بلند مقام پر فائز ہے۔ اُس نے اِس دنیا میں ایک ایسی زندگی بسر کی جو خدائی صفات کی مظہر تھی۔ اُن کا مؤقف یہ تھا کہ مسیح کو مافوق البشر سمجھنا اور اسے خدا کی خدائی میں شریک گردانتا

سراسر نادانی ہے جسے اِس سائنسی دور میں کوئی بھی ماننے اور تسلیم کرنے کے لئے تیار نہ ہوگا بیسویں صدی کے اوائل میں وہ پہلے بشپ تھے جنہوں نے چرچ کو آنیوالے طوفان سے بروقت خبردار کیا۔ اُن کے لیکچر برطانیہ میں ایک عرصہ تک بحث وتمحیص کا موضوع بنے رہے۔ بعد میں انہوں نے اپنے لیکچروں کو کتابی شکل میں شائع کیا اور اپنی اس کتاب کا نام "SHOULD SUCH A FAITH OFFEND?" رکھا جس کا مطلب ہے کہ "کیا ایسا اعتقاد دلآزاری کا موجب ہو سکتا ہے؟" اِس کا پہلا ایڈیشن نومبر ۱۹۲۷ء میں شائع ہوا اور ہاتھوں ہاتھ فروخت ہو گیا۔ بعد ازاں اِس کی بڑھتی ہوئی مانگ کو پورا کرنے کے لئے مسلسل کئی ماہ تک اس کے ایڈیشنز شائع ہوتے رہے۔

ذیل میں ہم الوہیتِ مسیحؑ کی تردید کے متعلق بشپ ارنسٹ ولیم بارنز کے ایک لیکچر کا اقتباس درج کرتے ہیں انہوں نے مسیح کو خدا ماننے کی نامعقولیت واضح کرتے ہوئے کہا:۔

"حلولِ الوہیت" ــــ یہ ایک نئی اصطلاح ہے۔ اِس کے معنی کیا ہیں؟ "محض یہ کہ خدا نے مسیح ناصری کے وجود میں انسانی شکل میں اپنے آپ کو ظاہر کیا" لیکن یہ فقرہ مختلف النوع معانی اور مفہوم پر محمول ہو سکتا ہے۔ اِس لئے اکثر و بیشتر اِس کا مطلب غلط سمجھا جاتا ہے بعض کے نزدیک اِس کا مطلب یہ ہے کہ "مسیح خدا تھا" لیکن عیسائی چرچ نے کبھی بھی ایسا غیر محتاط بیان مسیحؑ کے بارہ میں نہیں دیا۔ اُس نے ہمیشہ اِس بات پر زور دیا ہے کہ مسیح فی الاصل اور حقیقی معنوں کی رو سے انسان تھا۔ وہ انسانی ذہن رکھتا تھا اور انسانی قیود بھی۔ یہ کہنا کہ مسیح خدا تھا درست نہیں ہے کیونکہ اس کا لازماً یہ مطلب ہوگا کہ وہ قادر مطلق تھا لیکن انجیل (مرقس باب ۶ آیت ۵) میں ہم پڑھتے ہیں کہ وہ ناصرہ میں لوگوں کی بے اعتقادی کے سبب معجزہ دکھانے کی قدرت ظاہر نہ کر سکا۔ لہٰذا صاف ظاہر ہے کہ وہ قادر مطلق ہرگز نہ تھا۔ مزید برآں یہ کہنے سے کہ مسیح خدا تھا لازماً یہ بھی ماننا پڑے گا کہ وہ علیم و خبیر تھا لیکن اُس نے خود کہا (مرقس باب ۱۳ آیت ۳۲) میں نہیں جانتا کہ دنیا کے خاتمہ کی گھڑی کب آئے گی۔ اِس پر مستزاد یہ کہ اُس نے دعا مانگی (لوقا باب ۲۲ آیت ۴۲) اے باپ! اگر تیری مرضی ہو تو اِس پیالے کو مجھ سے ٹلا دے۔ اگر وہ علیم و خبیر تھا اور مستقبل کو اپنی آنکھوں سے دیکھ رہا تھا تو پھر اُس کی یہ دعا ایک مذاق اور مضحکہ سے زیادہ اور کوئی حیثیت نہیں رکھتی وہ مستقبل کی تاریکی کو پھاڑنے کی قدرت نہیں رکھتا تھا کیونکہ انسان ہونے کی وجہ سے وہ اُن قیود میں برابر کا شریک تھا جو ہمیں لاحق ہیں۔

لہٰذا میں صحیح مسیحی اعتقاد کو دوسرے الفاظ میں بیان کرتا ہوں اور وہ یہ ہے کہ الوہیتِ مسیحؑ کا مطلب یہ ہے کہ مسیحؑ کے وجود میں انسانی قیود اور پابندیوں کے ساتھ ایک ایسی زندگی بسر

ہوئی جسے ہم خدائی زندگی (یعنی خدائی صفات کی مظہر زندگی۔ ناقل) کہہ سکتے ہیں۔" (ص ۱۵۲)

جب انہوں نے اپنے متعدد لیکچروں میں بہر طور مسیح کے انسان ہونے پر زور دیا تو انہیں بہت سے خطوط موصول ہوئے جن میں یہ دریافت کیا گیا تھا کہ کیا مسیح ایک منزہ عن الخطاء صاحبِ اختیار ہستی نہیں ہے؟ چنانچہ ایک لیکچر میں انہوں نے اِس سوال کا جواب دیتے ہوئے کہا:-

"اِس سوال کے جواب میں کہ کیا مسیح منزہ عن الخطاء صاحبِ اختیار ہستی نہیں ہے میں پوچھتا ہوں کہ منزہ عن الخطاء صاحبِ اختیار ہستی سے تمہاری مراد کیا ہے؟ کیا تمہاری مراد یہ ہے کہ مسیح علیم وخبیر تھا؟ کیا تم مجھ سے یہ کہلوانا چاہتے ہو کہ ظاہراً تو وہ انسان ہی تھا لیکن ذہنی اعتبار سے وہ خدا کا درجہ رکھتا تھا؟ میرا جواب یہ ہے کہ نہیں۔ خدا کے ساتھ کامل تعلق استوار کرتے ہوئے اُس نے اِس دنیا میں حقیقی انسانی زندگی بسر کی۔ وہ ایک یہودی لڑکے کے طور پر پلا بڑھا۔ اپنے وقت کی مروجہ دنیوی تعلیم اس نے حاصل کی ـــــ انسانی قیود اسے لاحق تھیں۔ ہم انسانوں کیلئے وہ صراطِ مستقیم اور زندگی کا درجہ رکھتا تھا اور اس لئے رکھتا تھا کہ اخلاقی اور روحانی بصیرت اسے حاصل تھی بایں ہمہ اس کے لئے مستقبل اسی طرح شکوک وشبہات کے بادلوں میں لپٹا ہوا تھا جس طرح ہمارے لئے لپٹا ہوا ہے۔ اُس کے یہ الفاظ کہ "اے باپ! اگر تیری مرضی ہو تو یہ پیالہ مجھ سے ٹلا دے" خود اس کا ثبوت ہے۔ ان الفاظ سے ظاہر ہے کہ مستقبل کے متعلق لاعلمی میں وہ ہمارا برابر کا شریک تھا۔ علیم وخبیر ہونے کے کسی نظریہ کی خاطر ہم اُس کی اِس شرکت کو جھٹلا نہیں سکتے۔ یہ خیال کہ دنیوی علم کے بارہ میں مسیح غلطی نہیں کر سکتا تھا ایک ناواجب اور غلط جذبۂ احترام کی پیداوار ہے۔ ہمارے ایمان کی بُنیاد اس کی کامل اخلاقی اور روحانی فراست پر ہے، نہ کہ کسی اور چیز پر۔" (ص ۱۲۱)

جب بشپ ارنسٹ ولیم بارنز مسیح کی الوہیت کو سرے سے تسلیم ہی نہ کرتے تھے تو پھر وہ کفارہ کے عقیدہ کو کیسے درست قرار دے سکتے تھے چنانچہ انہوں نے ایک لیکچر میں اِس عقیدہ کو خدا کی محبت اور اس کی قدرت کے منافی قرار دیا اور کہا:-

"اب ہم کفارہ کے عقیدہ کو لیتے ہیں۔ سینٹ آگسٹائن نے یہ نظریہ پیش کیا تھا کہ یہ ایک معاوضہ یا قصاص تھا جو مسیح نے شیطان کو ادا کر کے انسانیت کو گناہ کی پاداش سے بچایا۔ یہ عقیدہ مغرب کی مسیحی دینیات پر قریباً ایک ہزار سال تک چھایا رہا۔ جن لوگوں کے نزدیک مسیح کی تعلیم خدا کی محبت اور اس کی قدرت کے اقرار سے عبارت ہے ان کے لئے یہ نظریہ ناقابلِ برداشت ہے۔

ویسے بھی فہم وفراست اور عقل عمومی اسے دھکے دیتی ہے۔ اِس کے باوجود ہم دیکھتے ہیں کہ ایبلارڈ (Abelard) کو پادریوں کی کونسل اور خود پوپ نے اس لئے قابلِ ملامت وقابلِ مواخذہ گردانا کہ اس نے عیسائیت کی ایسی مسخ شدہ شکل کو تسلیم کرنے سے انکار کر دیا تھا۔" (صـــ۱۱۷)

الوہیتِ مسیح اور کفارہ کی تردید میں برمنگھم کے بشپ ارنسٹ ولیم بارنز کے مندرجہ بالا اعلانات اِس حقیقت کو روزِ روشن کی طرح عیاں کر رہے ہیں کہ انیسویں صدی کے اواخر میں جبکہ عیسائیت اپنے پورے عروج پر تھی حضرت بانیٔ سلسلۂ احمدیہ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اللہ تعالیٰ سے خبر پاکر عیسائیت کے استیصال کے متعلق جو مہتم بالشان پیشگوئی فرمائی تھی چند سال کے اندر اندر ہی اُس کے پورا ہونے کے آثار ظاہر ہونے شروع ہو گئے تھے اور اُن فرشتوں نے جو آپ کے ساتھ آسمان سے اترے تھے اور جن کے ہاتھوں میں بڑے بڑے گرز تھے مخلوق پرستی کی ہیکل کو کچلنے کے سلسلہ میں اپنا کام شروع کر دیا تھا۔ چنانچہ ارنسٹ ولیم بارنز جیسا نامی گرامی بشپ بھی الوہیتِ مسیح کی تردید کرنے پر مجبور ہو گیا اور اس نے برملا اِس امر کا اعتراف کیا کہ مسیح محض ایک انسان تھا، انسانوں کی طرح وہ پلا بڑھا، انسانوں کی طرح اُس نے اِس جہان میں زندگی بسر کی۔ خدا کی طرح نہ وہ قادرِ مطلق تھا اور نہ علیم وخبیر۔ اگر قادرِ مطلق ہوتا تو ناصرہ کے لوگوں کے اصرار پر وہ ضرور معجزہ دکھاتا اور اگر علیم وخبیر ہوتا تو اسے صلیب ملنے کا پہلے سے علم ہوتا اور کبھی یہ دعا نہ مانگتا کہ اے خدا موت کا یہ پیالہ مجھ سے ٹلا دے۔ اُس کو ایک ہی امتیاز حاصل تھا کہ خدا سے اس کا تعلق تھا جس کی وجہ سے اخلاقی اور روحانی بصیرت اُس میں پیدا ہو گئی تھی۔ مسیحیوں کے اعتقاد کی بنیاد اُس کی اِس اخلاقی اور روحانی بصیرت پر ہونی چاہیئے نہ کہ اسکی الوہیت اور اس کے منزہ عن الخطاء ہونے پر۔

بشپ ارنسٹ ولیم بارنز کی کتاب کے ۳۶ سال بعد اب ۱۹۶۳ء میں وُول وِچ کے بشپ ڈاکٹر جان رابنسن کی کتاب Honest to God عیسائیت کے تابوت میں آخری میخ کی حیثیت رکھتی ہے۔ اس کتاب پر وہاں کے اخبارات میں جو تبصرے شائع ہوئے ہیں اور خود پادریوں اور اہلِ علم حضرات کی طرف سے اس کی تائید میں جو آوازیں بلند ہوئی ہیں وہ اِس امر پر شاہد ہیں کہ اب مغرب میں مروجہ عیسائیت کی جڑیں کھوکھلی ہو چکی ہیں۔ لوگوں کا عیسائیت پر سے ایمان اٹھ چکا ہے۔ وہ اسے انسانیت کے دورِ طفولیت کے ایک ثقافتی ورثہ سے زیادہ اور کوئی اہمیت دینے کے لئے تیار نہیں ہیں۔ ان حالات میں کون کہہ سکتا ہے کہ صلیب ابھی نہیں ٹوٹی۔ حضرت بانیٔ سلسلۂ احمدیہ علیہ الصلوٰۃ والسلام کی پیشگوئی کے عین مطابق عملاً صلیب ٹوٹ چکی ہے اور ایسی ٹوٹی ہے کہ اب کبھی نہیں

جڑ پکڑے گی۔

ضرورت اب صرف اِس امر کی ہے کہ ہم ان عیسائی اقوام کے سامنے جو حالات سے مجبور ہو کر دن بدن عیسائیت سے بیزار ہوتی جا رہی ہیں حقیقی اسلام پیش کرنے میں پوری فرض شناسی کا ثبوت دیں۔ اُن کی لوحِ ذہن صاف ہوتی جا رہی ہے جس پر اسلام کا نقش بٹھانا ہمارا کام ہے ورنہ وہ مستقلاً دہریت کی رَو میں بہہ کر پھر پہلے ہی کی طرح ہدایت سے دُور جا پڑیں گے۔ ہمارا فرض ہے کہ ہم بے مثال قربانیوں، انتھک محنت اور جانفشانی سے اُس دن کو قریب سے قریب تر لانے میں کوئی کسر نہ اٹھا رکھیں جس کے متعلق حضرت بانیٔ سلسلۂ احمدیہ علیہ السلام نے اِن الفاظ میں خبر دی ہے:۔

"قریب ہے کہ سب ملتیں ہلاک ہوں گی مگر اسلام، اور سب حربے ٹوٹ جائیں گے مگر اسلام کا آسمانی حربہ کہ وہ نہ ٹوٹے گا اور نہ کند ہو گا جب تک دجالیت کو پاش پاش نہ کر دے۔ وہ وقت قریب ہے کہ خدا کی سچی توحید جس کو بیابانوں کے رہنے والے اور تمام تعلیموں سے غافل بھی اپنے اندر محسوس کرتے ہیں ملکوں میں پھیلے گی۔ اُس دن نہ کوئی مصنوعی کفارہ باقی رہے گا اور نہ کوئی مصنوعی خدا اور خدا کا ایک ہی ہاتھ کفر کی سب تدبیروں کو باطل کر دے گا لیکن نہ کسی تلوار سے اور نہ کسی بندوق سے بلکہ مستعد روحوں کو روشنی عطا کرنے سے اور پاک دلوں پر ایک نور اتارنے سے۔ تب یہ باتیں جو میں کہتا ہوں سمجھ میں آئیں گی۔"

(اشتہار ۱۴ جنوری ۱۸۹۷ء)

حقیقی توحید

حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام فرماتے ہیں:۔

"یاد رہے کہ حقیقی توحید جس کا اقرار خدا ہم سے چاہتا ہے اور جس کے اقرار سے نجات وابستہ ہے یہ ہے کہ خدا تعالیٰ کو اپنی ذات میں ہر ایک شریک سے، خواہ بُت ہو، خواہ انسان ہو، خواہ سورج ہو یا چاند ہو یا اپنا نفس یا اپنی تدبیر اور مکر اور فریب ہو، منزّہ سمجھنا اور اُس کے مقابل پر کوئی قادر تجویز نہ کرنا، کوئی رازق نہ ماننا، کوئی معزّ اور مذلّ خیال نہ کرنا، کوئی ناصر اور مددگار قرار نہ دینا۔" (سراج الدین عیسائی کے چار سوالوں کا جواب)

بچوں کا صفحہ

باپ کی نصیحت

بچو! آج ہم تمہیں ایک باپ کی بہت ہی اچھی اچھی نصیحتیں سناتے ہیں جو اُس نے اپنے بیٹے کو کی تھیں۔ یہ نصیحتیں اتنی اچھی اور اعلیٰ ہیں کہ خدا تعالیٰ نے ان کا قرآن مجید میں ذکر کیا ہے۔ اس سے تم اندازہ لگا سکتے ہو کہ یہ نصیحتیں کس قدر ضروری اور اہم ہیں اور ان پر عمل کرنا کس قدر فائدے اور برکت کا موجب ہے۔ وہ باپ جس نے اپنے بیٹے کو یہ نصیحتیں کیں حضرت لقمانؑ ہیں۔ ان نصیحتوں کے ایک حصہ کا ترجمہ ہم یہاں درج کرتے ہیں۔ قرآن مجید میں آتا ہے کہ حضرت لقمانؑ نے اپنے بیٹے سے کہا:۔

"اے میرے بیٹے نماز کو (اس کی پوری شرائط کے ساتھ) قائم رکھ۔ دوسروں کو نیک کاموں کی تلقین کرتا رہ۔ جو (تنگی ترشی) تجھے پہنچے اُس پر ہمیشہ صبر کر۔ یہ بات یقیناً بہت ہی ہمت والے کاموں میں سے ہے۔ اور اپنے گال لوگوں کے سامنے (غصہ سے) مت پُھلا۔ اور زمین میں تکبر سے مت چل۔ اللہ تعالیٰ یقیناً شیخی کرنے والے اور فخر کرنے والے سے پیار نہیں کرتا۔ اور اپنی رفتار میں میانہ روی اختیار کر۔ اور (جب تو بات کرے تو) اپنی آواز کو دھیما رکھا کر کیونکہ آوازوں میں سے سب سے زیادہ ناپسندیدہ آواز گدھے کی آواز ہے (جو بہت اونچی ہوتی ہے)۔"

(سورۃ لقمان آیات ۱۸ تا ۲۰)

اگر تم اِسے غور سے پڑھو تو تمہیں معلوم ہوگا کہ اس میں حضرت لقمانؑ نے اپنے بیٹے کو پانچ باتوں پر عمل کرنے اور تین باتوں سے بچنے کی نصیحت کی ہے۔ وہ پانچ باتیں جن پر عمل کرنے کی تلقین کی ہے یہ ہیں:۔ (۱) باقاعدگی سے نماز ادا کرنا۔ (۲) لوگوں کو نیک باتوں کی تلقین کرنا اور بُری باتوں سے روکنا۔ (۳) مصیبت پر صبر سے کام لینا۔ (۴) چلنے میں میانہ روی اختیار کرنا۔ (۵) دھیمی آواز سے نرم لہجے میں بات کرنا۔ جن تین باتوں سے بچنے کی تلقین کی ہے وہ یہ ہیں:۔ (۱) بات بات پر غصہ میں آجانا۔ (۲) تکبّر کرنا۔ (۳) شیخی بگھارنا یعنی ڈینگیں مارنا۔

یہ سب ایسی اعلیٰ نصیحتیں ہیں کہ جو بچہ بھی ان پر عمل کرے گا وہ صحیح معنوں میں خدا تعالیٰ کا پیارا بند[illegible] جائے گا۔ زمین پر لوگ اور آسمان پر فرشتے [illegible] بچوں کو چاہیئے کہ وہ ان [illegible] اور بار بار پڑھیں۔ اور [illegible] کریں [illegible] پھر ا[illegible]

اللہ تعالیٰ سب بچوں کو باقاعدگی سے نماز پڑھنے، دوسروں کو نیکی کی تلقین کرنے اور بُرائیوں سے روکنے، تنگی اور مصیبت کے وقت صبر کا نمونہ دکھانے، چال میں میانہ روی اختیار کرنے اور ہمیشہ دھیمی آواز سے بات کرنے کی توفیق عطا فرمائے نیز وہ ہمیشہ غصّہ سے بچنے والے، تکبّر کے قریب نہ جانیوالے، اور شیخی نہ بگھارنے والے بنیں تاکہ خدا اان سے راضی ہو اور اُن سے پیار کرنے لگے۔ آمین

قرآن مجید کی برکتیں!

(سیّدنا حضرت مسیح موعود علیہ السّلام)

قرآں کتابِ رحماں سکھلائے راہِ عرفاں   جو اس کو پڑھنے والے اُن پر خدا کے فیضاں

اُن پر خدا کی رحمت جو اِس پہ لائے ایماں

یہ روز کر مبارک سُبحَانَ مَن یَّرَانِی

قرآں کو یاد رکھنا، پاک اعتقاد رکھنا   فکرِ معاد رکھنا، پاس اپنے زاد رکھنا

اِکسیر ہے پیارے صدق و سداد رکھنا

یہ روز کر مبارک سُبحَانَ مَن یَّرَانِی

(درّثمین)

عیسائیوں کی ھدایت کے لئے مسیح پاکؑ کی دردمندانہ دعا

''اے ھمارے پیارے خدا! ان (عیسائیوں) کو مخلوق پرستی کے اثر سے رھائی بخش ... ر اپنے وعدوں کو پورا کر جو اس زمانہ کے لئے تیرے تمام نبیوں نے کئے ھیں۔ ان ...انٹوں میں سے زخمی لوگوں کو باھر نکال اور حقیقی نجات کے سرچشمہ سے ان کو سیراب کر ...ونکہ سب نجات تیری معرفت اور تیری محبت میں ھے، کسی انسان کے خون میں نجات نہیں۔ اے رحیم کریم خدا! ان کی مخلوق پرستی پر بہت زمانہ گزر گیا ھے۔ اب ان پر تو رحم کر اور ان کی آنکھیں کھول دے۔ اے قادر رحیم خدا! سب کچھ تیرے ھاتھ میں ھے۔ اب تو ان بندوں کو اس اسیری سے رھائی بخش اور صلیب اور خون مسیح کے خیالات سے ان کو بچا لے۔

اے قادر کریم خدا! ان کے لئے میری دعا سن اور آسمان سے ان کے دلوں پر ایک نور نازل کرتا وہ تجھے دیکھ لیں۔ کون خیال کر سکتا ھے کہ وہ تجھے دیکھیں گے، کس کے ضمیر میں ھے کہ وہ مخلوق پرستی چھوڑ دیں گے اور تیری آواز سنیں گے۔ پر اے خدا تو ...کچھ کر سکتا ھے تو نوح کے دنوں کی طرح ان کو ھلاک مت کر کہ آخر وہ تیرے ...ھیں بلکہ ان پر رحم کر اور ان کے دلوں کو سچائی کے قبول کرنے کے لئے کھول دے۔ ...ل کی تیرے ھاتھ میں کنجی ھے۔ جبکہ تو نے مجھے اس کام کے لئے بھیجا ھے سو ... پناہ مانگتا ھوں کہ میں نامرادی سے مروں۔ اور میں یقین رکھتا ھوں کہ ...حی سے مجھے وعدے دئے ھیں ان وعدوں کو تو ضرور پورا کرے گا ...دا صادق خدا ھے۔ اے میرے رحیم خدا اس دنیا میں میرا بہشت کیا ھے ... بندے مخلوق پرستی سے نجات پا جائیں۔ سو میرا بہشت مجھے عطا کر اور ...ور ان لوگوں کی عورتوں اور ان کے بچوں پر یہ حقیقت ظاھر کر دے ...ف تورات اور دوسری پاک کتابوں نے بلایا ھے اس سے وہ بے خبر ... دعا سن لے کہ تمام طاقتیں تجھ کو ھیں۔ آمین ثم آمین۔،،

قرآں کو یاد رہ

...ا نے ... انتہائی بلن...

... کا مؤقف یہ تھا کہ

آرٹ پریس گولبازار ربوہ میں چھپا۔